Eamonn Butler's

AN INTRODUCTION TO ECONOMIC INEQUALITY

معاشی عدم مساوات

ایک تعارف

معاشی عدم مساوات: اک تعارف

ایمن بٹلر

اشاعتِ اول: برطانیہ، 2022

ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک افیئرز، ۲ لارڈ نارتھ اسٹریٹ، ویسٹ منسٹر
لندن پبلشنگ پارٹنرشپ لمیٹڈ کے اشتراک سے
www.londonpublishingpartnership.co.uk

انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک افیئرز کا مشن معاشی اور سماجی مسائل کو حل کرنے میں مارکیٹوں کے کردار کا تجزیہ اور وضاحت کر کے ایک آزاد معاشرے کے بنیادی اداروں کی افہام وتفہیم کو بہتر بنانا ہے۔

کاپی رائٹ:

دی انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک افیئرز، 2022

مصنفین کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ محولہ بالا کاپی رائٹ کے تحت حقوق کو محدود کئے بغیر اور کاپی رائٹ مالکان اور ناشر دونوں کی جانب سے تحریری اجازت نامہ کے بغیر اس کتاب کا کوئی بھی حصہ کسی بھی شکل میں یا کسی بھی طریقے سے (الیکٹرانک، مکینیکل، فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا دوسری صورت میں) دوبارہ تیار، ذخیرہ یا متعارف نہیں کیا جا سکتا۔

اس کتاب کا سی آئی پی کیٹلاگ ریکارڈ برٹش لائبریری میں دستیاب ہے۔

آئی ایس بی این: 978-0-255-36815-5

آئی ای اے کی بہت سی اشاعتوں کا انگریزی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا ہے یا دوبارہ شائع کی جاتی ہیں۔

ترجمہ یا دوبارہ اشاعت کی اجازت کیلئے ڈائریکٹر جنرل سے مندرجہ بالا پتے پر رجوع کیا جانا چاہئے۔

www.tandtproductions.com

اشاعت وجلد سازی: پیج برادرز

اردو زبان میں ترجمہ واشاعت

نیشنل اِنفلوونسرز

ایلی پرنٹس اینڈ پبلشرز، پجگی روڈ، خواجہ ٹاؤن، پشاور
رابطہ: 1808 260 91 92+

سال: اکتوبر 2022

تعداد: 1,000

مشمولات / فہرست

مصنف کے بارے میں أ

تشکرات ب

خلاصہ ج

اعداد و شمار کی فہرست د

1. عدم مساوات کی بحث

عدم مساوات پر اتفاق 17

عدم مساوات کا بیانیہ 18

عدم مساوات کے بارے میں تشویش 19

ری ڈسٹریبیوشن کا مطالبہ 19

بیانیہ پر سوال 20

جانچ کے مسائل 20

غیر مساوی سلوک 21

پالیسی کے مسائل 22

دیگر خدشات 22

2. تعریفیں، اقدامات اور توضیحات

معنی / مفہوم اور مضمرات 24

اصطلاحات 25

معاشی عدم مساوات 26

نظریاتی / تھیوری توضیحات 27

آمدن میں عدم مساوات کی پیمائش 28
کوتاہیاں 30
رجحانات 30

3. آمدن کی پیمائش پر سوال

ڈیٹا کی کوتاہیاں 32
ٹیکس اور فوائد/مراعات 33
اعداد وشمار کی اغلاط اور درستگی 34
خفیہ اکانومی 34
زندگی کے معیار 35
شماریاتی غلطیاں اور کوتاہیاں 35
ہم کس سے موازنہ کر رہے ہیں؟ 35
دیگر سماجی عوامل 36
آسان عدم مساوات 36
ایک ناقابل اعتبار تصویر 37
ناقابل پیمائش کو نظر انداز کرنا 37
کھپت/مصرف 38

4. دولت کی پیمائش پر سوال

ڈیٹا کی کوتاہیاں 40
جائیداد سے معلومات 40
ریاستی حقوق 41
منفی دولت 42

انسانی وسائل 42
دیگر پیچیدہ/الجھانے والے عوامل 43
ہم کس سے موازنہ کر رہے ہیں؟ 43
حقیقت کو مسخ کرنا 44

5. بین الاقوامی موازنہ

عالمی عدم مساوات کا بیانیہ 46
ڈیٹا کے مسائل 46
ناقابلِ اعتماد وضاحتیں 47
دیگر وضاحتیں 47
ثقافتی عوامل 48
ادارہ جاتی اور پالیسی کے فرق/امتیازات 48
دولت میں (سرمایہ کاری یا منافع کے ذریعے) اضافہ 49
ایک نوجوان دنیا 49
مساوات، غربت اور ترقی 50
غربت کے حوالے سے پیش رفت 51

6. کیا امیر ہی امیر تر ہوں گے؟

دولت کا اعتبار نہیں/دولت غیر یقینی ہے 53
دولت کی دوسری شکلیں 54
مساوات کے بغیر خوشحالی 55

7. اخلاقی معاملے پر سوال کرنا

عالمگیر انسانیت کی دلیل 57

انسانیت کی دوسری شکلیں 58
جان رالز: مساوات اور انصاف 59
امکانات مساوات نہیں 59
منتخب معلومات 60
خدمت کرنے والا یا مستحق 61
8. عملی دعوؤں پر سوال
'دی سپرٹ لیول' کی غلطیاں/خامیاں 62
چیری پکڈ ڈیتا 63
پیچیدہ وجوہات 63
ناممکن پیمائش 64
ہماری توجہ کو غلط سمت دینا 65
9. کام کی جگہ پر مساوات
مساوی تنخواہ کے تضادات 67
غیر مالیاتی عوامل 68
غیر مساوی خاندان 68
عمل/کردار میں فرق 69
کیا تنخواہ میں صنفی فرق ہے؟ 69
مٹتا ہوا فرق 70
فرق کی ابتداء 70
دیگر وضاحتیں 71
فطری اختلافات 72

کیا سی ای اوز پیسوں (اپنی تنخواہوں) کے قابل ہیں؟ 74
غیر مساوی رویے 74
قدر میں اضافہ کرنا 74
فیصلہ کون کرتا ہے؟ 74

10. مساوات (برابری لانے) کی پالیسی کی جڑیں

اخلاقیات سے سیاست تک 76
غلط مفروضے 76
ری ڈسٹریبیوشن کا جواز پیش کرنا 77
مساوی منافع/نتائج: کا عدم امکان (امر محال/ناممکن) 77
آمدنی اور دولت 78
راک سٹار مسئلہ 78
بدنصیبی کی تلافی 79

11. مساوات کے لیے سیاسی نقطہ ہائے نظر

مساوات سے مساوات تک 82
نظریاتی حکمت عملیاں 82
لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا 83
متنوع ضروریات 83
مساوی مادی سامان فراہم کرنا 83
نقطہ ہائے نظر کے خطرات 84
معاشرے کی خدمت 84
فرق کو کم کرنا 85

12. مساوی مواقع/برابر مواقع

مساوی مواقع کے معنی	87
کارکن اور ملازمین	88
کون سی اہلیت قابلِ غور ہے؟	89
کیا ہمیں وراثت کی فکر کرنی چاہیے؟	90
عامل کی اہمیت	90
کیا قسمت غیر منصفانہ/ظالمانہ ہے؟	91
بالادست اصول	91
مواقع کی بڑھتی ہوئی	92

13. ری ڈسٹری بیوشن کی پالیسیاں

پروگریسو ٹیکسیشن	93
موضوعیت/داخلیت کا مسئلہ	94
اکثریت کی پالیسی کار کاوٹیں	94
ویلتھ ٹیکس	95
اثاثوں کی تغیر پذیر قدر	96
آمدنی کار کاوٹیں	96
غیر ملکی دولت	97
کم سے کم اجرت	98
مختلف گروہوں کے لئے مختلف معیارات	99
انتخاب کے مسائل	100
اقتصادی ترقی	101

14. جمہوریت اور مساوات

اتحادی سیاست	103
سیاست پر متوسط طبقے کا غلبہ	104
غربت پر سیاست	105
ری ڈسٹری بیوشن کی (راہ میں حائل) رکاوٹیں	105
جبری تقسیم کتنی منصفانہ ہے؟	106
مالیاتی صنعت	106
دولت مندوں کی سیاسی ناکامی	107
کوئی سیاسی ہم آہنگی نہیں	108
مساوات کرنے والوں کو کون مساوی کرے گا؟	108

15. مساوات کی راہ میں حائل رکاوٹیں

قانونی اور شہری مساوات	110
شماریاتی مسائل	111
مساوات اور سماجی نقل و حرکت (موبلِٹی)	111
سماجی نقل و حرکت کے خلاف رکاوٹیں	112

16. عدم مساوات کا کردار

کیا لوگ برابری چاہتے ہیں؟	114
مساوی اور غیر مساوی معاشرے	115
عدم مساوات کی فعالیت	115
دولت اور رتبہ	116
دولت اور حیثیت/درجہ بندیوں کا کردار	117

نئی مارکیٹ/مواقع کی تخلیق 117
غربت کے خاتمہ کے لئے پیداواری صلاحیت 118
معیارات کو بہتر بنانا 119

17. نتیجہ/خلاصہ 120
ناقص تخمینہ 120
ناقص جواز 120
ناقص پالیسیاں 121
تضادات 121
اجتماعی ذہنیت 122
بہتر توجہ 122
اخلاقی فرض 123

حوالہ جات 124
آئی ای اے کے بارے میں 130

مصنف کے بارے میں

ایمن بٹلر دنیا کے معروف پالیسی تھنک ٹینکس میں سے ایک، ایڈم سمتھ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ انہوں نے معاشیات اور نفسیات میں ڈگریاں حاصل کی ہیں، فلسفے میں پی ایچ ڈی ہیں اور ادب میں بھی انہیں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری سے نوازا گیا ہے۔ 1970 کی دہائی میں برطانیہ پلٹنے اور ایڈم سمتھ انسٹی ٹیوٹ کے شریک بانی بننے سے پہلے انہوں نے واشنگٹن میں امریکی ایوان نمائندگان کے لیے خدمات سرانجام دیں، اور مشی گن کے ہلزڈیل کالج میں فلسفہ پڑھاتے رہے۔ وہ فورج ویلی (پنسلوانیا کا ایک گاؤں) کی فریڈمز فاؤنڈیشن کا تمغہ آزادی اور برطانیہ کا نیشنل فری انٹرپرائز ایوارڈ جیت چکے ہیں، ان کی فلم "سیکرٹس آف دی میگنا کارٹا" ایتھنتھم فلم فیسٹیول میں ایک انعام حاصل کر چکی ہے جبکہ ان کی کتاب "فاؤنڈیشنز آف اے فری سوسائٹی" فشر پرائز/انعام جیت چکی ہے۔

ایمن کی دوسری کتابوں میں اہم ماہر اقتصادیات ایڈم اسمتھ کا تعارف، ملٹن فرائیڈ مین، ایف اے ہائیک، لڈوگ وان میزس کا تعارف شامل ہیں۔ انہوں نے کلاسیکی لبرل ازم، عوامی پسند (پبلک چوائس)، سرمایہ داری، جمہوریت، تجارت، آسٹرین سکول آف اکنامکس اور عظیم لبرل مفکرین کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ساتھ "دی کنڈینسڈ ویلتھ آف نیشنز" اور "دی بیسٹ بک آن دی مارکیٹ" بھی شائع کی ہیں۔ وہ "فورٹی سینچریز آف ویج اینڈ پرائس کنٹرول کے شریک مصنف، اور آئی کیو پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ پرنٹ، براڈکاسٹ اور آن لائن میڈیا میں ان کے مضامین بکثرت شائع ہوتے ہیں یا وہ ان موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں۔

تشکرات

بہت سے دوستوں کا ذرائع کے ساتھ مدد اور تجاویز کے لئے شکریہ، اور خاص طور پر ایڈم اسمتھ انسٹی ٹیوٹ کی فیوناٹاؤنسلی کا شکریہ جنہوں نے حقائق کی تحقیق اور حوالہ جات کے حوالے سے خصوصی (کام) تعاون پیش کیا۔

خلاصہ

معاشی عدم مساوات کا مسئلہ (شائع شدہ) کتابوں اور مضامین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ معاشی و سیاسی مباحث پر حاوی ہو گیا ہے۔ مساوات کو عام طور پر نا صرف بذات خود اچھا سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ایک ایسی چیز کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو صحت اور اعتماد جیسی دیگر اقدار کا باعث بنتی ہے۔

پہلی نظر میں، اعداد و شمار حیران کن نظر آتے ہیں، دنیا کی زیادہ تر آمدنی کمانے والے اور دنیا کی بیشتر مادی و مالی دولت کے مالک چند امیر افراد ہی ہیں۔ عدم مساوات کو کم عمر/زندگی (جلد اموات)، ناقص تعلیم، ذہنی بیماری، موٹاپا، سیاسی عدم استحکام اور دیگر سماجی مسائل سے جوڑا جاتا ہے۔ اس کے خلاف مہم چلانے والے دولت پر ٹیکس، فلاحی ریاست کی توسیع اور اعلیٰ کم سے کم اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

تاہم اس بیانیے میں گہری خامیاں ہیں۔ مثال کے طور پر عدم مساوات کی پیمائش کرنا مشکل ہے۔ جبکہ قبل از ٹیکس آمدنی بہت غیر مساوی نظر آتی ہے، ٹیکس اور فلاحی فوائد (بشمول تعلیم، رہائش اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کے) معیار زندگی میں حقیقی عدم مساوات کو ڈرامائی طور پر کم کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان کے کام سے بیشتر فائدہ جو ملتا ہے وہ صرف مالی نہیں بلکہ اس سے انہیں تحریک یا تحریص، لطف اور اطمینان بھی ملتا ہے۔

دیگر حالتوں میں عدم مساوات کے اعداد و شمار گمراہ کن ہیں۔ لوگوں کی کمائی عام طور پر عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے، اور زیادہ کمانے والے زیادہ بچت کر سکتے ہیں۔ بوڑھے اور کم عمر افراد کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو اعداد و شمار وسیع عدم مساوات کی نشاندہی کرتے ہیں، اور کریں گے چاہے ہر شخص نے اپنی پوری زندگی میں بالکل اتنی ہی رقم کمائی ہو۔

عدم مساوات کے بیانیے پر بنائی گئی پالیسیاں بھی پریشان کن ہیں۔

اگرچہ ہم 'آمدنی کی تقسیم/ری ڈسٹری بیوشن' کی بات کرتے ہیں تاہم درحقیقت کوئی بھی آمدنی کو شعوری طور پر تقسیم نہیں کرتا۔ آمدنی تو ہر کسی کی معاشی سرگرمیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نہ ہی دولت اور

آمدنی کا پیٹرن، خاکہ یا نمونہ ایسا ہے کہ ایک کا نقصان ہی دوسرے کا فائدہ ہو۔ کسی کے امیر سے امیر تر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے غریب سے غریب تر ہوتے جائیں۔ بلکہ پچھلی دو صدیوں کے دوران منڈیوں اور تجارت کے پھیلاؤ نے پوری دنیا کو امیر تر بنا دیا ہے۔

مساوات کے نام پر "ری ڈسٹری بیوشن" متضاد (بھی) ہے ("ری ڈسٹری بیوشن" ایک معاشی اصطلاح ہے جس کا مطلب پراگریسو ٹیکسیشن یا غربت مٹاؤ پروگرامات جیسے اقدامات کے ساتھ عدم مساوات کو کم کرنا ہے) کیونکہ اس میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک کریں۔ اور یہ اس حقیقت کو نظرانداز کرتی ہے کہ لوگوں کی معاشی پوزیشن ان کے اپنے انتخاب کی عکاس ہوتی ہے۔ بعض لوگ زیادہ آمدن والے کام پر خاندان کے ساتھ زیادہ وقت، ملازمت سے اطمینان، یا آسانی اور فرصت کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

دوبارہ تقسیم کے ایجنڈے کے ناقدین کہتے ہیں کہ زیادہ ٹیکس، کم از کم اجرت اور ایک بڑی فلاحی ریاست جیسی پالیسیاں مراعات کو کم کریں گی، اور کام، بچت، کاروبار اور ترقی یا پیشرفت کی حوصلہ شکنی کریں گی۔ چونکہ سیاستدان پروگرام کا انتظام کریں گے تو سپورٹ غریب کی بجائے ان گروہوں کو ملے گی جو زیادہ اثر رسوخ کے حامل ہوں۔

رائے عامہ کے جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ ناانصافی کو ناپسند کرتے ہیں لیکن برابری یا مساوات کے مقابلے میں دوسرے اغراض و مقاصد کو اہمیت دیتے ہیں۔ عدم مساوات پر ہی توجہ مرکوز کرنے سے ہماری توجہ اصل مسئلے سے ہٹ سکتی ہے: (اور وہ یہ کہ) ایسے حالات کیسے پیدا کئے جائیں جو سب کی خوشحالی کو فروغ دیں گے۔

اعداد و شمار

1. "دی لارنز کرو"(کسی آبادی میں آمدن اور دولت کی تقسیم ظاہر کرنے والا گراف یا نقشہ
2. 1820 تا 2015 انتہائی غربت میں زندگی گزارنے والی عالمی آبادی

1

عدم مساوات کی بحث

عدم مساوات پر اتفاق

ماہرین اقتصادیات، ماہرین تعلیم اور سماجی محققین کی کتابوں کے ساتھ، جن میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، معاشی عدم مساوات زیادہ تر تعلیمی اور سیاسی بحث کا محور بن چکی ہے۔

(اس طرح کے) بہت سے لوگوں میں سے ایک ماہر اقتصادیات جے کے گالبریتھ کی "دی ایفلو ئنٹ سوسائٹی (1958)" کی زیادتیوں کی مذمت تھی؛ فلسفی جان رالز کا "انصاف کا ایک نظریہ (1971)" میں یہ دعویٰ کہ عدم مساوات غیر منصفانہ بھی ہے اور غیر معقول بھی؛ محققین کیٹ پِکٹ اور رچرڈ ولکنسن کی "دی سپرٹ لیول (2010)" میں یہ خیال کہ عدم مساوات زیادہ تر سماجی مسائل سے وابستہ ہے؛ نوبل انعام یافتہ ماہر معاشیات جوزف اسٹگلٹز کا "دی پرائس آف اِن ایکویلٹی (2013)" میں یہ نظریہ کہ عدم مساوات معاشرے کو بھڑکاتی ہے؛ اور "کیپٹل (2017)" میں تھامس پیکیٹی کی یہ دلیل کہ امیر ہمیشہ امیر تر ہوتا جائے گا جب تک کہ دنیا بھر میں انہیں ویلتھ ٹیکس کا سامنا نہ ہو۔

سیاست دانوں نے کم از کم اجرت کی پالیسیوں، فلاحی اخراجات میں اضافے، معمولی انکم ٹیکس کی شرحیں، جو کبھی کبھی 100 فی صد تک پہنچ جاتی ہیں، اور دولت پر ٹیکس لگانے کی تجاویز کے ساتھ مہم شروع کی ہے۔ تو ایسا لگتا ہے کہ عدم مساوات کی برائیوں پر اتفاق رائے ہے۔ پھر بھی بہت سارے ماہرین اقتصادیات، فلسفی اور سماجی محققین ایسے بھی ہیں جو ان دلائل پر سوال اٹھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان بنیادوں پر وضع کی گئی پالیسیوں کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

عدم مساوات کا بیانیہ

چونکا دینے والے اعداد و شمار: پہلی نظر میں، آمدنی میں عدم مساوات کے حوالے سے اعداد و شمار چونکا دینے والے نظر آتے ہیں۔ یورپ میں، سر کردہ یا سب سے اوپر والے دس فیصد کی کل آمدنی نیچے (نچلے طبقات) کے 50 فیصد کی کمائی سے دس گنا زیادہ ہے۔ مشرقی ایشیا، روس اور شمالی امریکہ میں یہ عدد 15 گنا سے زائد ہے۔ لاطینی امریکہ، جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیاء میں یہ 20 گنا زیادہ ہے، اور افریقہ و مشرق وسطی میں سر کردہ دس فیصد نیچے کے پچاس فیصد سے 30 گنا سے بھی زائد کماتے ہیں۔

دولت کی عدم مساوات کے اعداد و شمار اس سے بھی زیادہ گھمبیر ہیں۔ یورپ میں بظاہر کل دولت کے 60 فیصد سے زیادہ ملکیت امیر ترین 10 فیصد کے پاس ہے۔ شمالی امریکہ، جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیاء میں یہ تقریباً 70 فیصد ہے؛ روس، وسطی ایشیاء میں، مشرق وسطیٰ، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں یہ 70 فی سے زیادہ ہے۔ مجموعی طور پر، دنیا کے امیر ترین 10 فیصد بظاہر دنیا کی 76 فیصد دولت کے مالک ہیں اور (اقوام متحدہ کے مطابق) امیر ترین 1 فیصد کے پاس اس کا 40 فیصد ہے۔ آکسفیم کا دعویٰ ہے کہ دو ہزار کے قریب ارب پتی افراد کے پاس دنیا کے 5 ارب سے زائد غریب ترین افراد کے مقابلے میں زیادہ دولت ہے۔

اور امیر امیر تر ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں، سب سے اوپر 1 فی صد کی آمدنی سن 1920 اور 1970 کے درمیان بہت زیادہ گر گئی لیکن اس کے بعد کی پانچ دہائیوں میں اس میں ایک بار پھر اضافہ ہوا: 10 فیصد امیر ترین امریکیوں نے اپنی دولت میں پانچ گنا اضافہ کیا، جبکہ امیر ترین 1 فیصد نے اس میں سات گنا اضافہ کیا۔ عالمی سطح پر، عدم مساوات کی عالمی رپورٹ بتاتی ہے کہ جب کہ اوسط دولت میں 1995 کے بعد سے اب تک تقریباً 3 فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا ہے، دنیا کے امیر ترین افراد کی دولت اس شرح سے دو یا تین گنا زیادہ بڑھ چکی ہے۔ تب سے لے کر اب تک امیر ترین 1 فیصد نے دولت میں ہوئے تمام اضافے کے پانچ میں سے دو حصوں پر قبضہ کر لیا جبکہ دنیا کے 50 فیصد

غریب ترین افراد کو اس کا صرف 200واں حصہ ملا۔

عدم مساوات کے بارے میں تشویش

اسے (عدم مساوات کو) عام طور پر اچھا نہیں سمجھا جاتا، (جو) قابل فہم ہے۔ اور خود کو پائیدار بنانے والے کے طور پر بھی: وراثت اور پرورش امیروں کے بچوں کو زندگی کا ایک مراعات یافتہ آغاز فراہم کرتی ہیں، اور پیسے والے لوگ زیادہ آسانی سے پیسہ کماتے ہوئے اپنا یہ شرف برقرار رکھ سکتے ہیں۔ عدم مساوات کے بعض ناقدین کا دعویٰ ہے کہ امیر جان بوجھ کر اپنے آپ کو امیر اور دوسروں کو غریب رکھنے کے لیے اپنی دولت کا استعمال کرتے ہیں، سیاسی جماعتوں پر پیسہ بہاتے اور اپنے ساتھیوں کو منتخب کرواتے ہیں جو پھر عوام کی فلاح بہبود پر ہونے والے اخراجات میں کٹوتی کرتے ہوئے انہیں ٹیکسوں میں چھوٹ دیتے ہیں۔ صنعتی معاشروں میں غریب خاندانوں نے اپنی ملازمتیں دیگر ممالک کے پاس جاتی دیکھی ہیں؛ تاہم امیروں کے پاس فالتو پیسہ ہے، اور وہ اپنی مالی سرمایہ کاری میں بڑھوتری ہی کرتے ہیں کسی مناسب ٹیکس کے بغیر جو اسے (ان کی دولت میں اس اضافے کو) روک سکے۔

"دی سپرٹ لیول" کے مصنفین مزید آگے بڑھتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اوسط عمر میں کمی، ناقص تر تعلیم، کم اعتماد، زیادہ ذہنی بیماریوں، خودکشی، موٹاپے، قتل و غارت اور سیاسی عدم استحکام کا تعلق عدم مساوات سے ہے۔

یو کے کا ایکویلیٹی ٹرسٹ کہتا ہے کہ زیادہ مساوات کے ساتھ قتل کی شرح آدھی، ذہنی بیماری میں دو تہائی کمی، موٹاپے کا عارضہ آدھا، قید کی شرح 80 فیصد کم، نوعمر (13 تا 19 سال) بچوں کے ہاں پیدائش میں 80 فیصد کمی اور اعتماد کی سطح 85 فیصد تک بڑھ سکتی ہے۔

'ری ڈسٹری بیوشن' کا مطالبہ

مساوات کو اچھا ہی سمجھا جاتا ہے؛ نہ صرف اچھا اور منصفانہ۔۔ بذات خود اچھا۔۔ بلکہ ایک ایسی چیز کے

طور پر بھی جو صحت، امن اور اعتماد/یقین جیسی دوسری اقدار فراہم کرتی ہے۔ اسے بنیادی انسانی اقدار سے ماخوذ کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔۔ کہ لوگ ایک جیسے پیدا ہوتے ہیں اور انہیں ایک جیسے، یکساں اور مساوی مواقع اور جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں اس میں مساوی حصہ حاصل ہونا چاہئے۔

کہا جاتا ہے کہ بارِ ثبوت ان پر ہے جو اس کی مخالفت کرتے ہیں؛ اس واضح بھلائی/نیکی کو چھوڑنے سے پہلے انہیں بتانا چاہیے کہ ان کے خیال میں (معاشی عدم مساوات سے) کون سے فوائد حاصل ہوں گے۔

دریں اثنا، فرئضہ یہ ہے کہ مساوات کا فروغ ہمارا مقصد ہونا چاہئے۔ بشر دوستی کافی نہیں ہے؛ صرف بڑھتے انکم ٹیکس، دولت پر ٹیکس، ایک بڑی فلاحی ریاست، کم سے کم اجرت، تعلیم، مکان، اور صحت جیسی بنیادی ضرورتوں کی زیادہ مساوی فراہمی، مضبوط تر تاجر انجمنیں، امتیازی سلوک مخالف قوانین اور روزگار کے مواقع میں اضافے کے لئے اقدامات کے ساتھ ایک سماجی اور ٹیکس انقلاب ہی کافی ہو گا۔

یا حتی کہ اس سے بھی بڑا انقلاب۔ کچھ مہم چلانے والوں کا کہنا ہے کہ عدم مساوات کا مسئلہ خود سرمایہ دارانہ نظام سے جڑا ہے اور صرف ایک بالکل مختلف معاشی نظام ہی اس کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

بیانیہ پر سوال

عدم مساوات کا یہ بیانیہ اب اتنا جانا پہچانا اور وسیع پیمانے پر اسے اتنا خاطر میں نہیں لیا جاتا کہ اسے مزید بیان کرنا شاید ہی ضروری ہو۔ بجائے اس کے، یہ کتاب اس بیانیہ کو ایک تناظر میں دیکھنے اور اس میں کئے گئے دعوؤں کو آزمانے کی کوشش کرے گی (اور اس کیلئے) اس تنقید پر فوکس کرے گی۔۔ تنقید جو اس پر کی گئی ہے۔۔ ایسی تنقید جو اہم بھی ہے اور عام بھی، لیکن جو یکساں توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

پیمائش / جانچ کے مسائل

مثال کے طور پر، بیانیہ کے ناقدین اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آمدنی میں عدم مساوات کی پیمائش کرنا مشکل ہے۔ (ان کے نزدیک) پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے؛ لوگوں کو ایسی ملازمتوں سے 'نفسیاتی آمدن' بھی ملتی ہے جو اطمینان بخش، حوصلہ افزا اور خوشگوار ہوتی ہے لیکن اس کی پیمائش نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ، جبکہ ٹیکس سے پہلے کی آمدنی بہت غیر مساوی نظر آتی ہے، ٹیس ادائیگی کے بعد وہ بہت کم ہوتی ہے۔ اور فلاح و بہبود اور پنشن جیسے ریاستی فوائد بنیادی طور پر غریبوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ بالآخر ہم سب کو جو کچھ استعمال کرنا پڑتا ہے وہ بہت زیادہ مساوی ہے۔

پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کی کمائی عام طور پر ان کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے (اور اس طرح دولت بھی، کیونکہ زیادہ آمدنی والے لوگ زیادہ بچت کر سکتے ہیں) تو اعداد و شمار زندگی کے مختلف مراحل / مقامات پر لوگوں کا موازنہ کر کے عدم مساوات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔

بیشتر دولت، جو کہ حکومتوں یا کمپنیوں کے پاس ہے، حساب کتاب میں آتی تک نہیں جس سے ہمیں یہ غلط تاثر ملتا ہے کہ دنیا کی زیادہ تر دولت کا کنٹرول چند امیر افراد کے پاس ہے۔ مزید یہ کہ دولت میں اتار چڑھاؤ آتا ہے، کیوں کہ لوگوں کے اثاثوں کی قیمتیں (جیسے اسٹاک، بانڈز، پراپرٹی یا گاڑیاں) اوپر یا نیچے آتی جاتی ہیں۔ واقعی اگر کوئی مالیاتی بحران آتا ہے اور سب کی دولت سکڑتی ہے، لیکن امیروں کے اثاثے اس سے بھی زیادہ سکڑتے ہیں، تو برابری بڑھے گی، اگرچہ ہر کوئی بدتر ہوگا؛ کیا یہی ہے جو ہم چاہتے ہیں؟

غیر مساوی سلوک

ناقدین کے مطابق 'مساوات' اور 'آمدنی کی تقسیم'' "لوڈڈ" اصطلاحات (جس کا مفہوم منفی یا مثبت دونوں ہو سکتے ہیں) ہیں؛ ہم واقعی میں نتائج / منافع میں فرق کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ یہ بس اچھی اور بری وجوہات کی بنا پر ہوتے ہیں، لیکن کوئی بھی انہیں شعوری طور پر 'تقسیم' نہیں کرتا ہے۔

اس مساوات کے نام پر "ری ڈسٹری بیوشن" ایک تضاد ہے کیونکہ اس کے لیے ہمیں لوگوں سے غیر مساوی سلوک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔۔ بعض سے لینا، دوسروں کو دینا۔۔ مزید برآں، لوگ بے شمار غیر مالی حوالوں سے مختلف ہوتے ہیں۔۔ جیسے خاندانی پس منظر یا پھر طاقت یا کشش جیسی قدرتی صلاحیتیں۔۔ یہ سب ان کی کمائی کی صلاحیت کو متاثر کر سکتے ہیں لیکن ان کی پیمائش یا جانچ ممکن نہیں۔ اور لوگوں کی قسمت کا ان کے انتخاب/چوائس پر بھی انحصار ہوتا ہے۔ لوگوں کے برے انتخاب کی تلافی کرنے سے مزید برے انتخاب کی حوصلہ افزائی ہی ہو سکتی ہے۔

پالیسی کے مسائل

ناقدین کا کہنا ہے کہ عدم مساوات کو کم کرنے کے لیے جو پالیسیاں تجویز کی جا رہی ہیں، جیسے ترقی پسند ٹیکس اور اعلیٰ ریاستی فوائد، بچت، کاروبار، ترقی اور خوشحالی کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے مراعات کو کم کر دیں گی۔ ان کی آمدنی غریبوں تک نہیں جائے گی بلکہ گروپوں کی سیاسی طاقت/اثر کے مطابق تقسیم ہو گی۔ کسی بھی صورت میں، ریاستی پروگرام بالکل بھی منصفانہ نہیں ہوتے ہیں۔۔ مثال کے طور پر سکولنگ/تعلیم کی فراہمی بمشکل 'برابر' ہے اگر آپ کے بچے نہیں ہیں جو اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور جو سیاستدان اور عہدیدار اس تمام "ری ڈسٹری بیوشن" کے نگران ہیں ان کو وسیع اختیارات کی ضرورت ہو گی جن کا غلط استعمال کیا جا سکتا ہے۔

دیگر خدشات

سروے بتاتے ہیں کہ لوگ ناانصافی پر اعتراض کرتے ہیں، لیکن درجہ بندی میں دیگر مسائل کو عدم مساوات سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ زیادہ تر برابری والے معاشرے میں نہیں رہنا چاہتے صرف محنت کرنا اور آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت، لوگ مساوات نہیں بلکہ آزادی اور خوش بختی کی تلاش میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔

ناقدین کا کہنا ہے کہ ایک ناممکن دولت کی برابری/مساوات پیدا کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے ہمیں دولت پیدا کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔ وہ مساوی قانونی اور سیاسی حقوق کی وکالت کرتے ہیں، لیکن بصورت دیگر لوگوں کی خود کی بہتری کے خلاف رکاوٹوں کو دور کرتے اور ان کے ساتھ آزاد اور متنوع افراد کے طور پر سلوک کرتے ہیں۔ اس سے آمدنی اور دولت میں بڑا فرق پیدا ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس کے نتیجے میں سب خوشحال ہوتے ہیں، اور غربت کا خاتمہ ہوتا ہے، تو کون ذی شعور انسان اسے ترجیح نہیں دے گا؟

2
تعریفیں، پیمائشیں، وضاحتیں

معنی و مفہوم / مضمرات

مشہور بیانیہ بتاتا ہے کہ دولت اور آمدنی میں زیادہ مساوات خود واضح طور پر اچھی ہے، کہ صرف دولت منداس سے اختلاف کریں گے، کہ تبدیلی کیلئے حکومتی کارروائی ضروری ہے، اور یہ کہ چونکہ مساوات کا اثر ہر اک چیز پر پڑتا ہے تو باقی دیگر سیاسی مقاصد اسے فوقیت دینی چاہیے۔ حقیقت اتنی سیدھی سادی نہیں ہے۔

بہت کم لوگ عدم مساوات کے بیانیے کے معنی اور مضمرات کے بارے میں سوچتے ہیں۔ بطور آغاز جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ انسان قدرتی طور پر بہت سے حوالوں سے غیر مساوی ہیں۔ ان کی عمر، طاقت، قابلیت/صلاحیتیں، ہنر اور شخصیت، یہ سبھی چیزیں ان کی کمائی کی صلاحیت کو متاثر کر سکتی ہیں، اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتنی حد تک؛ ہم فرد کی ان میں سے زیادہ تر خصوصیات کی پیمائش کر ہی نہیں سکتے چہ جائیکہ انہیں برابر کریں، ہو سکتا ہے یہی وجہ ہو کہ عدم مساوات کا بیانیہ آمدنی اور دولت پر مرکوز ہے، جن میں ممکنہ طور پر پیمائش اور جوڑ توڑ کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر ہم لوگوں کی دولت اور آمدنی کو برابر بھی کریں تو بھی وہ کئی حوالوں سے غیر مساوی ہی رہیں گے۔

اور ویسے بھی کیا مساوات ایک اچھی اور منصفانہ چیز ہو گی جو کی جائے؟ اگر کچھ لوگ زیادہ کماتے ہیں اور زیادہ دولت حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ انتہائی محنتی، جفاکش اور کفایت شعار ہیں، جبکہ دوسرے کم کماتے ہیں اور کم دولت حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ محنتی نہیں ہیں، تو کیا ہمیں ان اخلاقی امتیازات/فرق کو نظرانداز کرنا اور انہیں ہر حال میں معاشی طور پر برابر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے؟ ایسا کرنے سے شاید ہی ذمہ داری اور دانشمندی کی حوصلہ افزائی ممکن ہو۔

'لوڈڈ' اصطلاحات

مساوات اور عدم مساوات 'لوڈڈ' اصطلاحات ہیں اس سے بحث کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ الفاظ کا مطلب صرف فرق اور مماثلت نہیں؛ ان سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ مماثلت اچھی اور فرق برا ہے۔ اس سے لوگوں کو انسانی اختلافات کو محض سمجھنے اور ان کو تبدیل کرنے کا بیڑا اٹھانے کی مہمیز ملتی ہے۔۔ جو ہو سکتا ہے کہ ایک دانشمندانہ کام ہو یا شاید نہ ہو۔

آمدنی کی تقسیم اور دولت کی تقسیم جیسی اصطلاحات بھی گمراہ کن ہیں۔ بطور ایک شماریاتی اصطلاح کے، تقسیم کا مطلب محض کسی خصوصیت کا وقوع پذیر ہونا ہے جیسے کہ عمر کے ہر گروپ میں کتنے لوگ شامل ہیں۔ لیکن روزمرہ استعمال میں، تقسیم کا مطلب ہے کہ آمدنی یا دولت کمائی نہیں جاتی، بلکہ کوئی شخص یا ادارہ جیسے کہ 'معاشرہ' جان بوجھ کر انہیں مختص کر رہا ہے۔

اور پھر جب ہم مختلف گروپوں کو حاصل ہونے والے آمدنی کے حصے کے بارے میں بات کرتے ہیں تو الجھن مزید بڑھ جاتی ہے، گویا آمدنی نہیں ہوئی کوئی سموسہ یا پیسٹری ہے جسے ایک خاندان کے درمیان تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایک بار پھر، 'شریک کرنے' کی اصطلاح۔۔ اور لوگوں کے منصفانہ حصے کی بات۔۔ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ برابر حصے ہی ایک اخلاقی نتیجہ ہے۔

لہذا، مساوات کی اس بحث کی زبان ہمیں اس یقین کی طرف دھکیلتی ہے کہ ہم آمدنی اور دولت کے فرق میں تبدیلی کر سکتے ہیں اور کرنی چاہیے۔ یہ بحث مزید زیادہ واضح طور پر آگے بڑھ سکتی تھی اگر ہم ان اصطلاحات سے دستبردار ہو کر صرف معاشی اختلافات/فرق اور آمدنی کے پھیلاؤ کے بارے میں بات کرتے۔ بدقسمتی سے، یہ بحث اس حوالے سے بہت دور چلی گئی ہے۔ لیکن جب ہم عدم مساوات اور تقسیم جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ وضاحتیں ہیں، نسخے نہیں۔

معاشی عدم مساوات

معاشی عدم مساوات، اس کتاب کا بنیادی موضوع، دولت یا آمدنی میں فرق کے بارے میں ہے۔

آمدنی فوائد (عام طور پر پیسہ) کا بہاؤ ہے جو کوئی ملازمت یا کاروبار سے یا جائیداد پر کرایہ کے طور پر یا سرمایہ کاری سے منافع کے طور پر کماتا ہے۔ (کرایہ یا منافع کو بعض اوقات غیر حاصل شدہ آمدنی کے طور پر الگ کیا جاتا ہے۔۔ ایک اور "لوڈڈ" اصطلاح، جو یہ بھول جاتی ہے کہ جائیداد اور اثاثوں کے لئے کمانا اور بچت کرنا پڑتی ہے، اور اسی طرح واقعی کمائے جاتے ہیں)۔

دولت اثاثوں کے اسٹاک جیسے زمین، مکان یا گاڑیاں، نیز مالی اثاثے جیسے اسٹاک اور بانڈز کی قیمت/ویلیو ہے جو کوئی حاصل کرتا ہے۔ آمدنی اور دولت کے درمیان فیڈبیک ہوتے ہیں: کسی کے پاس جتنی زیادہ آمدنی ہو گی، اتنی ہی زیادہ وہ جائیداد حاصل کر سکتے ہیں؛ اور ان کے پاس جتنی زیادہ جائیداد ہو گی، وہ اس سے اتنی ہی زیادہ آمدنی حاصل کر سکتے ہیں۔

لیکن عدم مساوات غربت جیسی نہیں ہے۔ آبادیاں برابر ہو سکتی ہیں تاہم غریب یا غیر مساوی اور امیر نہیں۔ مثال کے طور پر، امریکہ بہت سے دوسرے ممالک سے کم برابر ہے لیکن بہت سوں سے زیادہ مالدار/امیر ہے۔ میانمار میں زیادہ تر ممالک کی نسبت مساوات ہے لیکن دیگر کئی ممالک کے مقابلے میں غریب تر بھی ہے۔

برونڈی میں دو زرعی کسان برابر ہو سکتے ہیں، لیکن اپنی غربت میں وہ برابر ہیں۔

ایک بار پھر، ہمیں غربت کی اصطلاح کو احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب مطلق غربت ہو سکتا ہے، محرومی کی مخصوص سطح جس کا کوئی فرد یا گروہ تجربہ کرتا ہے یعنی اس کا سامنا ہوتا ہے (اگرچہ یہاں بھی، وقت کے ساتھ ساتھ ہمارا محرومی کا تصور بدلتا ہے۔۔ آج جن چیزوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے، جیسے بہتا گرم پانی، ایک صدی پہلے اسے عیش و عشرت سمجھا جاتا تھا) لیکن اس کا مطلب نسبتاً غربت بھی ہو سکتا ہے، جہاں لوگ قومی اوسط سے کم کماتے ہیں۔۔ اسے عام طور پر اوسط آمدنی کے 60 فیصد سے بھی کم کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ایک بار پھر، ہمیں احتیاط برتنی چاہیے: ایک امیر ملک کے لوگ جو نسبتاً غربت کی لکیر سے نیچے ہیں وہ اب بھی مالی طور سے بہت بہتر ہو سکتے ہیں، جبکہ غریب ملک کے لوگ جو نسبتاً غربت کی لکیر سے اوپر ہیں، شاید بالکل بھی بہتر نہ ہوں۔

یہ بھی یادرکھیں، کہ اگر کسی اقتصادی اٹھان کی وجہ سے ہر ایک کی آمدنی دوگنی بھی ہو جاتی ہے، تو بھی نسبتاً غربت میں اعداد وہی رہیں گے۔

مساوات بھی ایکویٹی (عدل یا انصاف) جیسی نہیں ہے۔ اقتصادی مساوات کا مطلب ایک جیسی دولت یا آمدنی ہے۔۔ جو ایک معروضی اقدام ہے۔۔ جبکہ ایکویٹی آمدنی یا دولت کی وہ تقسیم ہے جسے قابل قبول سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ موضوعی/داخلی (اقدام) ہے۔

نظریاتی توضیحات

معاشی عدم مساوات کی بہت سی نظریاتی وضاحتیں ہیں۔ کارل مارکس نے اسے اقتصادیات کی طاقت اور مزدوروں کے استحصال کے تاریخی نتیجے کے طور پر دیکھا۔ ماہر عمرانیات میکس ویبر کا خیال تھا کہ سماجی حیثیت، ملکیت اور سیاسی طاقت میں فرق نے درجہ بندی پیدا کی ہے جو پھر آمدنیوں میں ظاہر ہوئی۔ جدید حقوق نسواں کے علمبردار اس کو پدرانہ نظام اور غیر تسلیم شدہ رکاوٹ سے منسوب کر سکتے ہیں۔ نیولبرل اسے اس طرح دیکھتے ہیں کہ یہ غیر شخصی مارکیٹ کے عمل کا محض معروضی نتیجہ ہے۔۔ اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ (معاشی عدم مساوات) کم ہوتی، اگر اقتصادی اور سیاسی طاقت کا ارتکاز پیدا کرنے والی حکومتی مداخلتیں نہ کرتیں۔ لیکن دیگر وضاحتوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔

عملی طور پر، مارکیٹ کے حالات کے عدم مساوات پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، گلوبلائزیشن نے صنعتی ممالک میں مال تیار کرنے والوں کو مینوفیکچرنگ ملازمتیں ارزاں اور سستے ممالک کو منتقل کرنے پر آمادہ، اور فنانس اور آئی ٹی میں اعلیٰ ہنر مند کارکنوں کی مانگ میں اضافہ کیا ہے جس سے موجودہ آمدنی میں فرق مزید وسیع ہوا ہے۔

حکومتیں نادانستہ طور پر بھی عدم مساوات کو بڑھاوا دے سکتی ہیں۔ گھریلو ایندھن یا پھر کپڑوں جیسی ضروری اشیاء پر رجعتی ٹیکس کا نقصان غریب لوگوں کو ہوتا ہے، جن کے گھریلو بجٹ کا ایک بڑا حصہ انہی چیزوں پر خرچ ہوتا ہے۔ بہبود کی فراہمی سے زیادہ لوگ کام کی تلاش کے بجائے نسبتاً کم سماجی فوائد

سے جڑے نظر آئیں گے مطلب ان پر انحصار کریں گے۔ وعلی ہذاالقیاس۔

سماجی تبدیلیوں سے بھی کافی فرق پڑ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، کم تعلیم یا مہارت والے تارکین وطن کی بڑی تعداد میں آمد پہلے سے ہی کم اجرت پر مزید دباؤ ڈال سکتی ہے۔ اسی طرح کام کرنے والی خواتین کی تعداد میں اضافے سے بھی یہ اثر پڑ سکتا ہے، ان میں سے بہت سی (کم تنخواہ والے) لچکدار یا جزوقتی کام کا انتخاب کرتی ہیں۔ اکیلے شخص/فرد واحد یا اکلوتے والدین (صرف ماں یا صرف باپ) والے گھرانوں اور دو کمانے والے افراد پر مشتمل گھرانوں میں اضافہ گھریلو آمدنی کے فرق کو بھی وسیع کرتا ہے۔ اور ایک بڑھتی عمر والی آبادی کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگ اور زیادہ ہیں جو مزید کماتے نہیں، لیکن جن کے پاس زیادہ محفوظ شدہ دولت ہے۔

آمدنی کی عدم مساوات کی پیمائش

آمدنی کی عدم مساوات کو ماپنے کا معیاری طریقہ امریکی ماہر اقتصادیات میکس لوریز کے تیار کردہ "لوریز کرو" (Lorenz Curve) کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ افقی محور پر کمانے والوں کا مجموعی/ مسلسل بڑھنے والا نمبر ہے، غریب ترین سے امیر ترین تک، جبکہ عمودی پر ان کو موصول ہونے والی کل آمدنی کا مجموعی فیصد ہے۔ اگر مکمل برابری ہوتی، آبادی کا ہر ایک x فیصد آمدنی کا ایک ہی x فیصد وصول کرتا، تو یہ (چیز) گراف پر ایک سیدھی 45° لائن بنائے گی۔ جتنی زیادہ عدم مساوات ہو گی 45° لائن کے نیچے یہ خمیدہ لائن اتنی ہی زیادہ ابھرے گی۔

اسی سے "Gini کو فیشینٹ (عدد) اخذ کیا گیا ہے، جس کا نام اطالوی شماریات دان Corrado Gini کے نام پر رکھا گیا ہے۔۔ "کرو" اور 45° لائن کے کے درمیان ایریا (A) کا 45° لائن (B) کے نیچے کل ایریا تک تناسب۔ تناسب جتنا زیادہ ہو گا، اتنی ہی زیادہ عدم مساوات ہو گی۔ صفر Gini کوفیشنٹ کا مطلب مکمل مساوات ہو گا؛ 1 کوفیشینٹ/عدد کا مطلب ہے مکمل عدم مساوات، تمام آمدنی ایک فرد کو جائے گی۔

Figure 1 The Lorenz curve

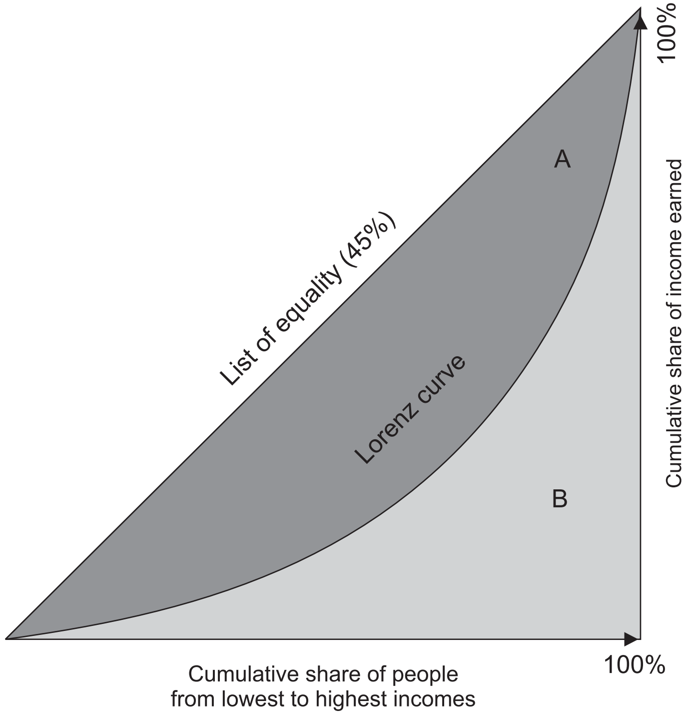

اس حساب سے کچھ دلچسپ نتائج سامنے آتے ہیں۔ دی ورلڈ پاپولیشن ریویو کے سالانہ حسابات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ بہت سے افریقی ممالک (جیسے جنوبی افریقہ، نمیبیا) بہت زیادہ غیر مساوی کے طور پر سامنے آتے ہیں، کئی لاطینی امریکی ممالک (جیسے کولمبیا، وینزویلا) زیادہ پیچھے نہیں ہیں۔ بہت سے سابقہ سوویت ریاستیں (جیسے یوکرین، سلووینیا) بہت زیادہ مساوی/برابر دکھائی دیتی ہیں، نارڈک ممالک (جیسے فن لینڈ، آئس لینڈ) ان کے قریب قریب آتے ہیں یعنی سوویت ریاستوں کے ساتھ زیادہ فرق نہیں۔ امریکہ کو اگرچہ عام طور پر بہت زیادہ غیر مساوی قرار دیا جاتا ہے، بمشکل سب سے زیادہ غیر مساوی ممالک کی تہائی میں آتا ہے جبکہ برطانیہ سب سے برابر تہائی میں دکھائی دیتا ہے۔

کوتاہیاں

بد قسمتی سے، جینی کوفیشینٹ/عدد سسٹم سے الگ تھلگ/مختلف یا منفرد شخص یا چیز کے حوالے سے حساس بہت ہے ، مطلب کہ چند بہت امیر افراد یہاں تک کہ ایک بڑی آبادی میں اس عدد کو بہت زیادہ تبدیل کر سکتے ہیں۔ دیگر پیمائشیں اس مسئلے کے حوالے سے کم حساس ہیں، جیسے پالما تناسب (سب سے زیادہ کمانے والے 10 فیصد کا مجموعی قومی آمدنی میں تناسب تقسیم سب سے کم کمانے والے 40 فیصد کا تناسب) اور "کز نیٹس" کا تناسب (سب سے زیادہ 20 فیصد اور
سب سے کم 40 فیصد کیلئے یکساں)۔ پھر بھی یہ پیمائشیں ہمیں کسی ملک کے اندر عدم مساوات کی صحیح نوعیت (جیسے مختلف نسلی، عمر یا صنفی گروہوں کے درمیان فرق) کے بارے میں کچھ نہیں بتاتیں، اور نہ ہی یہ بتاتی ہیں کہ یہ کیوں رونما ہوتی ہیں۔

رجحانات

اگرچہ Gini coefficient ایک خام اور ممکنہ طور پر بہت گمراہ کن پیمانہ ہے، لیکن عدم مساوات کی بحث میں عام طور پر اسی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کم از کم رجحانات کو تو ظاہر کرے؛ مثال کے طور پر، یہ بتاتا ہے کہ 1920 اور 1980 کے درمیان ترقی یافتہ ممالک میں عدم مساوات میں کمی آئی۔۔ جس کی وجہ عام طور پر مزید فلاحی امداد اور تعلیم تک یونیورسل رسائی قرار دی جاتی ہے۔ پھر، 1990 سے، کچھ ترقی یافتہ ممالک جیسے امریکہ میں بظاہر عدم مساوات میں اضافہ ہوا ہے۔۔ جسے عام طور پر عالمگیریت، اقتصادی ترقی، ٹیکس میں کمی جو خوشحال/آسودہ حال کے لئے معاون ہوتی ہے، امیگریشن اور ایسی کمزور تجارتی انجمنیں جو غریب مزدوروں کو مانگنے اور تنخواہ میں اضافے کے قابل نہیں چھوڑتی ہیں۔ لیکن یورپ یونین اور برطانیہ جیسی دیگر جگہوں میں یہ رجحان بہت کم واضح ہے۔
حالیہ دہائیوں کے اوپر اور نیچے کی طرف دونوں رجحانات تقریباً یقینی طور پر بہت سی وجوہات کا نتیجہ ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کے اثرات کی پیمائش کرنا مشکل ہے۔ گلوبلائزیشن ایک مضبوط عنصر ہو سکتا

ہے، کیونکہ اس نے (پہلے سے ہی اچھی تنخواہ والے) اعلیٰ ٹیلنٹ کی مانگ میں اور (کم اچھی تنخواہ والی) مینو فیکچرنگ جابز کی ترقی پذیر ممالک کو منتقلی میں اضافہ کیا ہے۔ ٹیکسوں میں حالیہ کٹوتی سے پہلے سے آسودہ حال مزید خوشحال ہو سکتے ہیں، لیکن اس کا زیادہ طاقتور اثر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سابق ٹیکس جلاوطنوں کو واپس لوٹنے اور دیگر ممالک سے مالدار لوگوں کو اپنی طرف راغب کر سکتی ہے یعنی مالدار لوگ سرمایہ کاری کے لئے اس طرف آ سکتے ہیں۔

تاہم، عموماً، تارکین وطن غریب تر ہوتے ہیں، لہذا مہاجرین کی بڑھتی ہوئی تعداد نے۔۔۔جواب ترقی یافتہ ممالک کی آبادی کا 12 فیصد ہیں، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے مطابق جو 1990 میں 7 فیصد تھے۔۔ عدم مساوات میں اضافہ کیا ہوگا۔ ٹریڈ یونینز کمزور ہو چکی ہیں کیونکہ کئی ممالک میں ریاستی اجارہ داری کی صنعتوں کی نجکاری کی گئی۔ لیکن جدید معیشت کا زیادہ انحصار چھوٹی، مسابقتی فرموں پر ہوتا ہے تاکہ تنخواہ کی سودے بازی زیادہ مقامی ہو، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ناکافی بھی ہو۔ اور ایک بار پھر، اقتصادی ترقی میں اضافے کا تعلق عام طور پر بڑھتی ہوئی عدم مساوات سے ہوتا ہے، لیکن صنعتی ممالک کے مقابلے میں بالیدگی/نمو ترقی پذیر ممالک میں کہیں زیادہ مضبوط رہی ہے، لہذا یہ وہاں بڑھتی ہوئی عدم مساوات میں ایک مضبوط عنصر نہیں ہو سکتا ہے۔

بے ضرر عدم مساوات؟ ان ممکنہ عوامل کو دیکھتے ہوئے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عدم مساوات کی کچھ وجوہات ناپسندیدہ جبکہ دوسری بے ضرر ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، نمو/بالیدگی/ترقی اور گلوبلائزیشن کے عام خوشحالی پر اثرات جینی کوفیشینٹ پر ان کے اثر سے قطع نظر مثبت ہوتے ہیں۔ ٹریڈ یونینز کسی سیاسی مہم سے زیادہ معاشی تبدیلی اور ترقی کی وجہ سے کمزور ہو سکتی ہیں۔ کم ٹیکس کسی ملک سے باہر جانے والے سرمایہ کو واپس لانے اور نئی سرمایہ کاری کو راغب کرنے میں مد ثابت ہو سکتے ہیں جس سے یہ آنے والے سالوں میں مزید خوشحال ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر عدم مساوات مثبت تبدیلیوں کا نتیجہ ہو سکتی ہے جن سے غریب ترین افراد کو بھی فائدہ ہو سکتا ہے۔

3

آمدنیوں کی پیمائش پر سوال/اعتراض

ڈیٹا کی خامیاں/کوتاہیاں

Gini کوفیشینٹ/عدد ہمیں جو بتاتا ہے اس میں یہ ایک خاص حد تک محدود ہونے کے ساتھ ساتھ اعداد وشمار کے حوالے سے بھی محدود اور ممکنہ طور پر قابل اعتراض معلومات پہ انحصار کرتا ہے۔ مختلف ممالک کا آمدنی کے جانچنے کا پیمانہ مختلف اور درجہ صحت بھی مختلف ہوتا ہے اس لیے ان امتیازات/فرق کی وجہ سے بین الاقوامی موازنہ قابل بھروسہ نہیں ہے۔ بین الاقوامی ایجنسیز جیسے ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف ان امتیازات/فرق کی تلافی کی کوشش کرتے ہیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی بالکل درست/کامل طریقہ نہیں ہے۔

حتی کہ ممالک کے اندر بھی آمدنی کے بارے میں معلومات مکمل اور جامع نہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ کے سی پی ایس (کرنٹ پاپولیشن سروے) میں صرف (گھر کی اشیاء کی) خریداری کی رسیدوں کو محفوظ/ریکارڈ کیا جاتا ہے، کتنی آمدنی ہوئی اس کا نہیں، اور زیادہ سے زیادہ آمدنی کا تخمینہ رازدارانہ وجوہات کی بنا پر نہیں لگایا جاتا۔ امریکی محکمہ خزانہ کے اعداد و شمار زیادہ آمدنی حاصل کرنے والوں کیلئے زیادہ واضح اور مکمل ہیں لیکن بہت کم کمانے والوں کے لئے اتنا نہیں، اور عمر، تعلیمی کوائف اور دیگر ایسے عوامل کا احاطہ نہیں کیا جاتا جو آمدنی میں عدم مساوات کی حد اور نوعیت کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

ٹرینڈ ڈیٹا (ٹرینڈ یا رجحان کا جائزہ یا تجزیہ) بھی ٹیکس کوڈز/ضابطوں میں سالانہ تبدیلیوں کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہے جو آمدنی کے ساتھ ساتھ کاروبار میں منافع اور نقصان کے اتار چڑھاؤ کو تبدیل کر دیتا ہے۔ اور جینی اپروچ میں امریکہ میں "میڈی کیئر" (صحت عامہ) اور برطانیہ میں نیشنل ہیلتھ سروسز (این ایچ ایس) جیسی جنس کی صورت ملنے والی ریاستی مراعات کا احاطہ نہیں کرتی جو بہت

زیادہ مساوی بنانے والی ہوتی ہیں کہ لوگوں کو کس سامان اور خدمات تک یکساں رسائی حاصل ہے۔

ٹیکس اور فوائد / مراعات

جینی کے نتائج کا بہت زیادہ انحصار اس امر پر ہے کہ آیا آمدنی کا جائزہ ٹیکس ادا کرنے سے بیشتر یا بعد میں لیا گیا۔ مثال کے طور پر فسکل سٹڈیز انسٹیٹوٹ کے مطابق برطانیہ میں تمام انکم ٹیکس کا ایک تہائی سے زائد حصہ ٹاپ کے ایک فیصد کمانے والوں سے حاصل ہوتا ہے۔ 2021 میں قومی شماریات کے دفتر سے جاری رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے زیادہ کمانے والے ٹاپ 20 فیصد نچلی سطح کے 20 فیصد والوں سے 12 گنا زیادہ کماتے ہیں لیکن ٹیکس کی ادائیگی اور بہبود آبادی کے اخراجات ادا کرنے کے بعد یہ فرق چار گنا تک نیچے آ جاتا ہے، یعنی چار گنا زیادہ کماتے ہیں۔ اسی طرح 2021 ہی کی کانگریشنل بجٹ آفس رپورٹ کے مطابق آمدنی اور سرمایہ کی بنیاد پر ملنے والی مراعات نے امریکہ کے کم ترین کمانے والے 20 فیصد افراد کی آمدن میں 68 فیصد اضافہ کیا جبکہ ٹیکس دینے سے زیادہ کمانے والے ٹاپ 20 فیصد افراد کی آمدنی میں 24 فیصد کمی آئی۔

مزید برآں، تعلیم، صحت عامہ اور سستی ٹرانسپورٹ جیسی جنس یا شے کی صورت ملنے والی مراعات سب لوگوں کے لیے یکساں طور پر مہیا ہیں، اسی طرح پارکوں، پولیس، کھیل کی سہولیات، بوڑھوں کی دیکھ بھال، سڑکوں اور کچرا اٹھانے جیسی مقامی سطح پر مہیا کی جانے والی سہولیات بھی سب کے لئے یکساں ہیں، تاہم ان کا اندراج شماریات میں نہیں کیا جاتا۔

دوسرے لفظوں میں پہلے سے ہی مساوات کا ایک نظام موجود ہے جو حسب منشاء کام کر رہا ہے۔ ماہرین اقتصادیات عام طور پر بعد از ٹیکس ادائیگی اور بعد از مراعات کی قابل تصرف آمدنی پر مبنی Gini کو فیشینٹس کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن ٹیکس اور فوائد کو شامل کرنے سے پہلے ہمیں ایسے مہم چلانے والوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو ٹیکس اور فوائد سے کی صورت کٹوتی سے قبل آمدنی کے اعداد و شمار کا استعمال کرتے ہیں، جو لوگوں کے حقیقی معیار زندگی کے لحاظ سے حقیقی عدم مساوات کو بہت بڑھا

چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔

اعداد و شمار کے اغلاط اور درستگی

کڑے (انتہائی احتیاط سے مرتب کردہ) مالیاتی اعداد و شمار تک قابل اعتراض ہیں یعنی ان پر سوال اٹھایا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو سب سے زیادہ کمانے والوں میں سے بہت کم لوگ قابل اعتماد معلومات فراہم کرتے ہیں، اور ان میں سے بہت سے لوگوں کی آمدنی بے قاعدہ ہے، جو کبھی زیادہ منافع کماتے ہیں تو کبھی بڑا نقصان بھی اٹھا لیتے ہیں۔

"شیڈو"/ خفیہ اکانومی۔

خفیہ آمدنی؛ چھپائے گئے اثاثے یا کالا دھن، ایک اور عنصر ہے جو اعداد و شمار میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ مارجینل ٹیکس (اضافی آمدنی کے ہر ڈالر پر عائد اضافی ٹیکس) کی شرحیں جتنی زیادہ ہوں گی، اتنا ہی کالے دھن یا خفیہ اکانومی کے بڑا ہونے کا امکان ہے۔ آئی ایم ایف کے 2018 کے ورکنگ پیپر کے مطابق، برطانیہ کی "شیڈو" اکانومی مجموعی ملکی پیداوار کے 6 فیصد سے زیادہ ہے۔ اور یہ یورپ کے لحاظ سے کم ہے۔ اسپین میں یہ 11 فیصد سے زیادہ، یونان میں 14 فیصد سے زیادہ اور بلغاریہ میں حیران کن 19 فیصد ہے۔

غیر ٹیکس شدہ آمدنی ("بیک پاکٹ انکم") شاید کم آمدنی والے لوگوں کیلئے سب سے زیادہ فائدہ مند ہے، اور سرکاری اعداد و شمار میں اس کی کمی عدم مساوات کے اعداد و شمار کو بڑھاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے زیادہ کمانے والے اپنی ظاہر کردہ آمدنی کو کم سے کم ظاہر کرنے کے لیے ٹیکس کے قوانین میں ہیرا پھیری کرتے ہیں، جس سے شاید ظاہر کردہ آمدنی زیادہ برابر بھی نظر آئے تاہم ہر گاہ عام شیڈو اکانومی یقینی طور پر اس عمل سے کہیں زیادہ ہے۔

زندگی کے معیار

اگرچہ ٹیکس، سماجی اور شے یا جنس کی صورت فوائد/مراعات اور خفیہ آمدنی کو اعداد وشمار میں شمار نہیں کیا جاتا، لیکن وہ معیارِ زندگی کو بہت زیادہ مساوی کرتے ہیں جنہیں ہر کوئی افورڈ کر سکتا ہے مطلب جو ہر کسی کے بس میں ہیں۔ دریں اثنا، آج انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن، فونز اور باورچی خانے کے آلات جیسی اہم اشیاء اور خدمات تک قریب قریب عالمگیر رسائی ایک اور زبردست مساوات ہے مگر جانچا یا ماپا نہیں گیا۔ اسی طرح کام کی جگہ کے 'اضافی' فوائد/مراعات بھی ہیں، جیسے آجر کی طرف سے ادا کردہ ہیلتھ انشورنس (امریکہ میں بہت اہم) یا پنشن (ہالینڈ، آئس لینڈ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریلیا اور برطانیہ میں خاص طور پر اہم)، جو اک بار پھر اصل عدم مساوات کو اس سے کہیں کم کر دیتے ہیں جتنا یہ ظاہر ہوتی ہے۔

ہم کس سے موازنہ کر رہے ہیں؟

آمدنی کے زیادہ تر اعداد وشمار گھریلو آمدنی پر مرکوز ہیں۔ انفرادی آمدنی کو بروئے کار لانے سے عدم مساوات کہیں زیادہ نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر، ایک گھرانہ جس میں ایک زیادہ کمانے والا، ایک بے روزگار ساتھی اور دو طالب علم بچے ہیں آمدنی کے لحاظ سے بہت غیر مساوی نظر آئے گا، حالانکہ چاروں افراد کا معیار زندگی ایک جیسا ہے۔ اس کے برعکس، ایک ایسا ہی گھرانہ جس میں چاروں ملازمت پیشہ ہیں یہ تاثر دے گا کہ یہاں آمدنی میں عدم مساوات بالکل ہے ہی نہیں۔

تاہم گھرانے اتنے متنوع ہوتے ہیں کہ ان کا موازنہ کرنا آسان نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کچھ نہ کمانے والے طلباء اور دیکھ بھال کرنے والوں کی تعداد میں اضافے سے مساوات میں نمایاں بہتری یا پیشرفت کی وضاحت ہو سکتی ہے حالانکہ یہ کچھ نہ کمانے والے ضروری نہیں کہ غربت کی زندگی گزار رہے ہوں۔ اسی طرح، واحد فرد والے گھرانوں اور ایک سے زیادہ کمانے والے گھرانوں میں اضافہ عدم مساوات کے اعداد وشمار میں اضافے کا باعث ہے۔

دیگر سماجی عوامل

دیگر سماجی عوامل بھی پیمائش/جانچ کو متاثر کرتے ہیں۔امیر ممالک کی طرف غریب لوگوں کی ہجرت کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے۔اور لندن اور نیویارک جیسے کچھ جگہوں میں انتہائی امیر تارکین وطن کی آمد سے ظاہری عدم مساوات اور بھی وسیع دکھائی دیتی ہے۔ لیکن یہ طویل المدتی عدم مساوات کے اسباب کے بجائے محض عارضی اضافے ہو سکتے ہیں۔

تاہم سب سے اہم عنصر عمر ہے۔لوگوں کی آمدنی ان کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے۔عام طور پر، وہ کم اجرت پر کام شروع کرتے ہیں۔۔ یا اگر وہ تعلیم یا کسی پیشے کیلئے زیر تربیت ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کمارہے ہوں۔پھر جیسے جیسے وہ زیادہ تجربہ، مہارت، رابطے، حیثیت اور اعتماد حاصل کرتے ہیں، ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر یہ دوبارہ گر جاتا ہے جب وہ ریٹائر ہو کر جمع پونجی پر زندگی گزارتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہر شخص نے اپنی زندگی کے دوران بالکل وہی کل آمدنی حاصل کی ہو تب بھی اعداد وشمار نمایاں عدم مساوات کو ظاہر کریں گے کیونکہ اعداد وشمار ہر ایک پر، بشمول کم آمدنی والے نوجوان اور زیادہ آمدنی والے بوڑھوں کے، یکساں نظر ڈالتے ہیں یا ان کی یکساں منظر کشی کرتے ہیں۔

آسان عدم مساوات

اس حد تک کہ جینی کی پیمائشیں اس بڑی عمر کے پہلو/اس جیسے عوامل کو چھپاتی ہیں، لیکن غالباً ہمیں ان کے بارے میں زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے۔آخر کار، آج کے سب سے اوپر 20 فیصد کمانے والے لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو 40 سال پہلے 20 فیصد نیچے/کم آمدنی والے تھے۔اور آج کے غریب تارکین وطن کل کے کروڑ پتی کاروباری ہو سکتے ہیں۔ بلکہ، ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ عدم مساوات کے اعداد وشمار ایسے مظاہر کی عکاسی کر سکتے ہیں جنہیں زیادہ تر لوگ کوئی مسئلہ نہیں سمجھیں گے۔اعلی عدم مساوات کے اقدامات اس بات کی نشاندہی بھی ہر گز نہیں کرتے کہ واقعی کچھ برا ہو رہا ہے۔

ایک ناقابل اعتبار تصویر/صورتحال

گھرانوں کی ساخت، افرادی قوت کی نوعیت، آبادی کی عمر، ریاستی فوائد/مراعات کی قدر، اور یہ کہ ہم افراط زر کی پیمائش کس طرح کرتے ہیں، ان جیسے عوامل، یہ سب جینی کوفیشنٹ کے لیے اہم ہیں۔ اس طرح کے عوامل کو مد نظر رکھنے سے عوامی بحث پر حاوی ہونے والی بڑی اور وسیع ہوتی ہوئی عدم مساوات کے برعکس تصویر سامنے آسکتی ہے۔

ناقابل پیمائش کو نظرانداز کرنا

ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ آمدنی کے اعداد وشمار صرف پیسے کی پیمائش کرتے/ماپتے ہیں۔ لیکن کام سے جو فائدہ ہمیں ملتا ہے وہ بیشتر مالی نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو زیادہ روحانی طور پر فائدہ مند کام کے لیے۔۔ شاید ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ، اچھے ماحول میں، محفوظ، صاف، بغیر دباؤ والا کام۔۔۔ رضامندی سے کم اجرت لیں۔ دوسرے لوگ شاید زیادہ پیسوں کو ترجیح دیں اور اس کے بدلے ناخوشگوار حالات میں گندے، ناگوار یا خطرناک کام کرنے کے لیے راضی ہو جائیں۔ کچھ شاید خاندانی ذمہ داریوں کی خاطر وقت نکالنے کے لیے کم معاوضہ والے لیکن لچکدار یا جزوقتی کام کا انتخاب کریں، اور دوسرے شاید ایسا نہ کریں۔ کچھ بہتر ملازمت کی تربیت کے لیے موجودہ کمائی ترک کر سکتے ہیں، جبکہ کچھ شاید ایسا نہ کریں۔

ایسے انتخاب لوگوں کی اپنی قربانی کی قدر کی ذاتی تشخیص/جائزے پر منحصر ہوتے ہیں۔ یہ ایسی چیز نہیں ہے جس کی ہم پیمائش کر سکیں، لیکن عدم مساوات کے حوالے سے یہ بڑے نتیجہ خیز و معنی خیز ہیں۔ لوگ اپنے انتخاب کی وجہ سے شاید اتنے مساوی نہ ہوں لیکن ہم ان کے غیر مالی فوائد/مراعات کی پیمائش اگر کر سکتے جن سے وہ محظوظ ہوتے ہیں، تو بہت ممکن ہے کہ فرق شاید اتنا زیادہ نہ ہو۔

کھپت / مصرف

بہر صورت، پیسے کی آمدنی صرف آدھی کہانی ہے: اصل سوال یہ ہے کہ پیسے سے لوگ کیا خریدتے ہیں۔ عدم مساوات کا بیانیہ بتاتا ہے کہ 1970 کی دہائی کے اواخر سے، سب سے زیادہ کمانے والوں کی آمدنی میں اضافہ ہو رہا ہے جبکہ سب سے کم کمانے والوں کی آمدنی اپنی جگہ کھڑی ہے، جس سے عدم مساوات بڑھ رہی ہے۔

یہ ایک وسیع (عمل) تعمیم ہے، مطلب ایک خاص آبادی سے متعلق معلومات کا سب پر قیاس کرنا ہے۔ حالیہ برسوں میں، کچھ ترقی یافتہ ممالک (جیسے امریکہ) میں ناپی/ماپی گئی عدم مساوات میں اضافہ ہوا ہے لیکن سبھی/پوری (عدم مساوات) نہیں۔ مثال کے طور پر، مارک مورگن اور تھریسا نیف کی عالمی عدم مساوات لیب کے لیے تحقیق (2020) بتاتی ہے کہ، جب کہ یورپ میں عدم مساوات 1980 کی دہائی کے وسط سے 1990 کی دہائی کے وسط تک بڑھی، اس کے بعد سے یہ کافی حد تک ہموار رہی ہے۔ اور سب سے اوپر 10 فیصد کمانے والوں کی ٹیکس کے بعد کی آمدنی نیچے والے 50 فیصد کی آمدنی کے قریب آ رہی ہے۔

مزید برآں، 'بڑھتی ہوئی عدم مساوات' کا کلیم (دعوی) ریاستی فوائد اور عوامی خدمات کے مساوی بنانے والے عوامل کو نظرانداز کرتا ہے۔ اور یہ جو کچھ ہم خریدتے ہیں اس میں قیمتوں میں گراوٹ (اور معیار میں بہتری) کو بھی نظرانداز کر دیتا ہے، جو کہ بڑھتی ہوئی پیداوار، ٹیکنالوجی اور عالمگیریت میں اضافے کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ ان میں سے چند کے نام اگر لئے جائیں تو: کاریں، دوائیں، گھریلو آلات اور تمام الیکٹرانک اشیاء بہت سستی ہو گئی ہیں۔ اس سے خاص طور پر غریب خاندانوں کو فائدہ ہوا ہے۔۔۔ زیادہ کمانے والوں کے استعمال کی چیزیں جیسے فون یا ڈش واشرز (تعداد) محدود ہیں۔ بہتر اور سستی خوراک، صحت کی دیکھ بھال، ٹرانسپورٹ اور لباس نے غریبوں کے معیار زندگی کو زیادہ بلند کیا ہے۔

دریں اثنا، لوگوں کی طویل العمری میں نمایاں اضافہ ہوا ہے، اور نوزائیدہ بچوں کی اموات اب نہ ہونے

کے برابر ہیں۔ لوگ کم گھنٹے کام کرتے ہیں اور زیادہ چھٹیاں لیتے ہیں۔ یہ 'جمود' نہیں ہے، بلکہ ایک نمایاں بہتری ہے جس سے کم کمانے والوں کو سب سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ یہ معیار زندگی میں حقیقی فرق کو کم کرتا ہے، لیکن اعداد و شمار اس کو حساب کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس بات کے اشاریے کے طور پر کہ آیا معیار زندگی میں بہتری آئی ہے یا نہیں، Gini، Palma اور Kuznets کی آمدنی میں عدم مساوات کی پیمائشیں ناقص ہیں۔

4

دولت کی پیمائش پر سوال/اعتراض کرنا

ڈیٹا کی کوتاہیاں

آمدنی کے مقابلے میں دولت کی پیمائش کئی وجوہات کی بناء پر کہیں زیادہ مشکل ہے۔ بہت کم ارب پتی ہیں جن پر قابل اعتماد اعداد وشمار کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ اثاثوں کی قیمت، جیسے کہ مکانات یا کمپنی کے حصص، سال بہ سال یہاں تک کہ روز بروز مختلف ہوتی ہے جس کی وجہ سے کسی شخص کی 'دولت' کو کسی عدد کی مدد سے بیان کرنا مشکل ہوتا ہے، مطلب یہ کہ فلاں کے پاس اتنی دولت ہے۔اور جب کہ حکومتیں ٹیکس کے لیے آمدنیوں کی نگرانی کرتی ہیں، اثاثوں پر عام طور پر صرف تب ٹیکس لگایا جاتا ہے جب وہ بیچے یا خریدے جاتے ہیں، تو ہمارے پاس ایک مبہم تصویر ہے کہ کون کتنی دولت کا مالک ہے،اوراس وجہ سے دولت کی عدم مساوات کی کوئی درست پیمائش نہیں ہے۔

جائیداد سے معلومات

دولت میں فرق کا اندازہ لگانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مرنے والوں کی جائیدادوں کا جائزہ لیا جائے جو ٹیکس مقاصد کے لیے ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ طریقہ صرف ایک بہت ہی مسخ شدہ تصویر فراہم کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، خاندان اکثر جائیداد پر ٹیکس سے بچنے کے لئے کار، زیورات، نقدی اور گھریلو سامان کی قیمت کم بتاتے (یا سرے سے ظاہر نہیں کرتے) ہیں۔اور چونکہ یہ بہت عام اثاثے ہیں، اور چھوٹے اسٹیٹس/جائیداد کا ایک بڑا حصہ تشکیل دیتے ہیں، نتیجہ یا تاثر یہ درکار ہوتا ہے کہ چھوٹی جائیداد مزید چھوٹی لگے،اور یوں نمایاں عدم مساوات مزید گہری دکھائی دیتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ لوگ جو مرتے ہیں وہ عموماً بڑھاپے کی طرف گامزن ہوتے ہیں اور (عمر کے ساتھ ساتھ ہونے والے اثرات کو مد نظر رکھتے ہوئے) اوسط لوگوں سے زیادہ امیر ہوتے ہیں۔ تو وہ لوگ بھی

اس امر کی پوری طرح نمائندگی نہیں کرتے کہ عام آبادی میں کیا ہو رہا ہے۔ چونکہ وہ ساری آبادی میں صرف ایک چھوٹی سی مثال/نمونہ ہوتے ہیں، (اس لئے) ان کی بنیاد پر تیار کردہ اعداد و شمار ان لوگوں کے لئے حساس ہوتے ہیں جو الگ تھلگ یا مختلف ہوتے ہیں؛ صرف ایک ارب پتی کے مرنے سے ایک سال میں نمایاں عدم مساوات واضح طور پر بڑھتی ہوئی دیکھنے کو ملے گی۔

ریاستی حقوق

دولت کی ایک اور وسیع پیمانے پر موجود لیکن نظرانداز کی جانے والی شکل ریاستی فوائد اور خدمات کی قدر/ویلیو ہے۔ ریاستی فوائد جیسے فلاح و بہبود اور پنشن اپنے وصول کنندگان کو نقد آمدنی فراہم کرتے ہیں اور ایسا کئی سالوں تک جاری رہ سکتا ہے۔ ہم آمدنی کے اس سلسلے کی ایک قیمت رکھ سکتے ہیں۔۔۔اس کو آپ وہ رقم سمجھیں جس کو آپ کسی سیونگز اکاؤنٹ میں رکھ کر سود کی ادائیگی کا مساوی سلسلہ پیدا کرتے ہیں یعنی اس پیسے کو بینک میں رکھ کر ان کے زریعے مزید پیسہ کماتے ہیں۔ اس لئے ریاست کی طرف سے یقینی طور پر ملنے والی یہ باقاعدہ آمدنی دولت کی ایک شکل ہے۔ اسے سرکاری اعداد و شمار میں شامل نہیں کیا جاتا لیکن اس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔ لنڈسے جیکبز اور ساتھیوں کی فیڈرل ریزرو بینک آف بوسٹن کے لیے کی گئی ایک تحقیق (2021) کے مطابق امریکہ میں پنشن اور سوشل سیکورٹی کی قدر/قیمت تمام دولت کا نصف ہے۔ ان کو (پنشن و سوشل سیکورٹی) کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو عدم مساوات کا عدد کافی چھوٹا/کم سامنے آتا ہے۔

ریاستی خدمات، جیسے سکول اور ہسپتال، لوگوں کو غیر مالی فوائد کا سلسلہ بھی فراہم کرتی ہیں۔ وہ بھی ایک کیپیٹل ویلیو کے ساتھ دولت کی ایک شکل ہے؛ اس کو آپ ان جاری/مسلسل خدمات کو برداشت کرنے کے لیے درکار رقم کے طور پر تصور کریں جو آپ کو انویسٹ/لگانا ہو گی۔ لیکن ایک بار پھر، دولت کی اس شکل کو شمار/حساب نہیں کیا جاتا ہے۔ انتہائی ترقی یافتہ فلاحی ریاستوں والے کچھ ممالک میں، ان تمام مراعات اور خدمات پر لگنے والا سرمایہ ذاتی دولت کی دیگر تمام اقسام سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ اور سب

کے لیے دستیاب ہونے کی وجہ سے، ان کا ایک طاقتور، لیکن غیر ریکارڈ شدہ، مساوی اثر ہوتا ہے۔
مثال کے طور پر یہ پیچیدہ اکاؤنٹنگ خاص طور پر گمراہ کن ہوتی ہے جب امریکی اعداد و شمار میں نجی پنشن تو شامل ہوتی ہے لیکن سرکاری پنشن نہیں، اور گھر کی ملکیت کا حساب تو ہوتا ہے لیکن ہاؤسنگ سبسڈی کا نہیں۔ یہ بھول چوک عدم مساوات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے لیکن اس کے لئے جواز بہت کم ہوتا ہے۔

منفی دولت

ایک اور شماریاتی رکاوٹ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو 'منفی دولت' رکھنے والوں کے طور پر ریکارڈ کیا جاتا ہے حالانکہ وہ ضروری نہیں کہ غریب بھی ہوں۔ امیر لوگوں کے پاس رہن گروی رکھتے اور قرض لیتے ہیں۔ امریکی اور یورپی میڈیکل اسکولوں کے نئے فارغ التحصیل طلباء شاید بڑے قرضے لے کر کام شروع کریں، حالانکہ وہ بہت امیر گھرانوں سے ہوتے ہیں اور مستقبل میں اوسط سے زیادہ کمائی شاید ان کا انتظار کر رہی ہو۔ خام اعداد و شمار میں ایسے معاملات کو شامل کرنا (جیسا کہ آکسفام تنقید قبول کرنے سے قبل اپنی سالانہ عدم مساوات کی درجہ بندی میں ایسا کیا کرتی تھی) ظاہری دولت کی عدم مساوات کو بڑھاتا ہے۔

انسانی وسائل یا سرمایہ/ہیومن کیپیٹل

دولت کے اعداد و شمار سے سب سے اہم غلطی شاید انسانی وسائل/سرمایہ کو منہا کرنا ہے، یہ وہ معاشی قدر ہے جسے لوگ اپنے تجربے اور مہارت سے استوار کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم، تربیت، مہارت اور اچھی صحت جیسے اثاثے شامل ہیں، جو انہیں آجروں کے لیے زیادہ پیداواری اور مفید بناتے ہیں۔ دولت کی اس شکل کی پیمائش کرنا ناممکن ہے، لیکن یہ ایسی چیز ہے جو ہم سب میں کسی نا کسی حد تک ہے۔ لہذا یہ جسمانی/مادی دولت سے کہیں زیادہ یکساں طور پر پوری آبادی میں پھیلی ہوئی ہے۔ ایک بار

پھر اس کو منہا کرنے سے دولت کی عدم مساوات اس سے کہیں زیادہ وسیع نظر آتی ہے۔

دیگر الجھانے والے عوامل

دولت کی عدم مساوات کے اقدامات میں ایک عجیب لیکن ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اگر امیر لوگوں کے اثاثوں کی قیمت گر جاتی ہے (جیسا کہ 9-2008 کے مالیاتی بحران کے دوران ہوا تھا)، تو پیمائش شدہ مساوات میں اضافہ ہوتا ہے حالانکہ کوئی بھی بہتر یا خوشحال نہیں ہوتا ہے، اور سرمایہ کاروں کی حالت اور زیادہ خراب ہوتی ہے۔ ہمیں مساوات کو خوشحالی کے ساتھ الجھانا نہیں چاہیے۔ یعنی دونوں کے بارے میں الجھن کا شکار نہیں ہونا چاہیے، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

ٹیکس ایک اور مسئلہ ہے۔ مختلف اثاثوں پر مختلف طریقوں سے ٹیکس لگایا جاتا ہے جس سے ان کی قیمتیں متاثر ہوتی ہیں، اور مالیاتی اثاثوں پر ٹیکس کا نفاذ بار بار تبدیل ہوتا رہتا ہے، جس سے دولت (اور اس وجہ سے مساوات) کے اعداد و شمار اپ سیٹ ہوتے ہیں۔ افراط زر بھی مختلف اثاثوں کی قدر کو مسخ کر دیتی ہے، کچھ کی قدر کو کم کر دیتی ہے (جیسے نقد بچت) جبکہ دوسروں کی مانگ کو بڑھاتی ہے (جیسے سونا یا جائیداد)۔

ہم کس سے موازنہ کر رہے ہیں؟

آمدنی کی طرح، زندگی کے چکر (لائف سائیکل) اعداد و شمار کو الجھا سکتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کی آمدنی عام طور پر عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے اس لیے بوڑھے لوگ کم عمر لوگوں سے زیادہ بچت کر سکتے ہیں۔ تو ان کی دولت ان کی آمدنی سے بھی زیادہ نمایاں طور پر بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مکمل لائف ٹائم برابری بھی ہوتی، ہر فرد بالکل ایک جیسی کل بچت کے ساتھ ریٹائر ہو، تو بھی اعداد و شمار بہت بڑی عدم مساوات کی نشاندہی کریں گے کیونکہ وہ کم عمر، غریب افراد کا بوڑھے، امیر لوگوں سے موازنہ کر رہے ہیں۔ اور لمبی/طویل عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ، ارد گرد زیادہ بوڑھے اور امیر لوگ ہوں گے،

جس سے فرق مبالغہ آمیز حد تک زیادہ نظر آئے گا۔

چونکہ زیادہ ذاتی دولت زمین اور مکان میں رکھی جاتی ہے، (لہذا) جائیداد کی قدر/ قیمتوں بڑھنے سے دولت کی عدم مساوات میں اضافہ ہوتا ہے۔ برطانیہ جیسے کچھ ممالک میں، مکان کی قیمتوں میں نمایاں اضافہ دولت کی عدم مساوات میں واضح اضافے کا ایک بڑا محرک رہا ہے۔ جائیداد والوں (زیادہ تر بوڑھے افراد) کی اپنی جائیداد کے اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے، وہ لوگ (زیادہ تر چھوٹے لوگ) جن کی جائیداد نہیں وہ اس اضافے سے محروم رہے ہیں۔

بلاشبہ برطانیہ کے معاملے میں، ریاستی ایکشن نے ہاؤسنگ کی اس عدم مساوات میں اضافہ کیا ہے، اس کا خاتمہ نہیں۔ پلاننگ کنٹرول جو نئے مکانات کی تعمیر اور پرانے مکانات کی تبدیلی پر پابندی لگاتے ہیں، وہ گھروں کی موجودہ فراہمی کو کم کرتے ہیں، جبکہ امیگریشن اور فوائد کی پالیسیاں، بشمول بعض گھر خریدنے والوں کے لیے سبسڈی، مانگ میں اضافہ کرتی ہیں جس کے نتیجے میں جائیداد کی قیمتیں بڑھتی ہیں۔ ایک بار پھر، ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ریاستی مداخلت ضروری نہیں کہ عدم مساوات کا تریاق ہو بلکہ اکثر اس کا سبب بنتی ہے۔

حقیقت کو مسخ کرنا

اس لیے جینی کوفیشینٹ آمدنی سے کہیں زیادہ دولت کی عدم مساوات بتانے پر مجبور ہے؛ لیکن یہ حقیقی صورتحال کی غمازی کے حوالے سے ناقابل اعتبار جبکہ استعمال کیے گئے ڈیٹا کے معیار کے حوالے سے انتہائی حساس ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ زیادہ دولت افراد کے پاس نہیں بلکہ حکومتوں (مقننہ کے زیر کنٹرول) اور کمپنیوں (حصص یافتگان/ شیئر ہولڈر کے زیر کنٹرول) ہے۔ چند ارب پتیوں کا دنیا کی زیادہ تر دولت پر قابض ہونے کا تصور مبالغہ آرائی ہے۔ اور ویسے بھی، اگر لوگ محنت سے، سمجھداری سے بچت کرنے اور دانشمندی سے سرمایہ کاری کر کے دولت جمع کرتے ہیں، اور اس طرح معاشی ترقی اور عام خوشحالی میں

اضافہ کرتے ہیں، تو کیا یہ ایک ایسی چیز نہیں ہے جس کی مذمت کرنے کی بجائے تعریف کی جائے؟

5
بین الاقوامی موازنے

عالمی عدم مساوات کا بیانیہ

عالمی عدم مساوات کا بیانیہ مشہور ہے: عدم مساوات کئی دہائیوں سے بڑھ رہی ہے؛ ارب پتی کھربوں کما رہے ہیں جبکہ کارکنوں کی کمائی کھربوں کے حساب سے کم ہو رہی ہے۔ امیر ترین ایک فیصد دنیا کی دولت کے پانچ میں سے دو حصوں کے مالک ہیں، سر فہرست دس ارب پتیوں کے پاس کئی ممالک سے زیادہ دولت ہے؛ امیر ترین امیر تر ہو رہے ہیں جبکہ غریب ترین قرضوں میں ڈوب رہے ہیں۔ سب سے اوپر کے ایک فیصد نے نیچے کے 50 فیصد سے دگنی دنیا کی اقتصادی ترقی حاصل کی ہے۔ اور اس عدم مساوات کی جھلک غربت اور صحت کی دیکھ بھال، رہائش، صفائی ستھرائی، تعلیم اور موقع تک ناقص رسائی میں دکھائی دیتی ہے۔

ڈیٹا کے مسائل

اعداد و شمار جمع کرنے کے محولہ بالا مسائل کو دیکھتے ہوئے، ہمیں ان دعوؤں پر شک ہونا چاہیے۔ جب آمدنی اور دولت کے اعداد و شمار کو مختلف طریقوں سے اور مختلف درستگی کے ساتھ اکٹھا کیا جائے تو ملکوں کے درمیان موازنہ تو چھوڑیں کسی ایک ملک کے اندر (عدم مساوات کی) درست پیمائش یا جانچ پڑتال بھی کافی مشکل ہے۔ زر مبادلہ کی شرح جیسی جگتیں بھی تصویر کو الجھا دیتی ہیں: چونکہ غریب ممالک میں عام قیمتیں کم ہوتی ہیں، اس لیے وہ اور بھی غریب لگ سکتے ہیں۔ اس کی تلافی خام قیمتوں کی بجائے قوت خرید کی برابری (PPP) کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ لیکن ہمیشہ یہ جانچنا دانشمندی ہے کہ عوامی بحث میں جو اعداد و شمار پیش کیے جاتے ہیں وہ اس کی عکاسی کرتے ہوں۔

ناقابل اعتماد وضاحتیں

عالمی عدم مساوات کی روایتی وضاحتیں بھی شناسا اور قابل اعتراض ہیں، نو آبادیات اور غلامی کی تجویز دی جاتی ہے، حالانکہ کالونیوں پر قابض طاقتوں کی (اس قبضہ پر) لاگت آتی ہے اور ساتھ ہی انہیں فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ غلامی، جیسا کہ ایڈم اسمتھ نے قرار دیا، نہ صرف اخلاقی طور پر ناگوار تھی بلکہ اقتصاد کے حوالے سے بھی خراب تھی مطلب گھاٹے کا سودا تھا۔ قدرتی وسائل میں فرق کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے، حالانکہ ہانگ کانگ اور سنگاپور جیسی جگہیں اس فائدے کے بغیر بھی ترقی کر چکی ہیں۔ زیادہ اہم شاید یہ ہے کہ آیا ایسی ممکنہ دولت حکمرانوں، خاندانوں یا اشرافیہ کے کنٹرول میں ہے۔۔ کہ قانون کی حکمرانی کی عدم موجودگی ان اندرونی افراد کو لوٹ مار کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

قحط اور قدرتی آفات (جیسے زلزلے) کو بھی موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے؛ لیکن جہاں منڈیوں/مارکیٹوں کو کام کرنے دیا جاتا ہے، وہاں قحط کو بڑی حد تک ختم کر دیا گیا ہے، جبکہ بڑھتے ہوئے معیارات اور بین الاقوامی تعاون نے قدرتی آفات سے ہونے والے جانی نقصان کو بہت کم کر دیا ہے۔

ایک اور خیال یہ ہے کہ چونکہ غریب ممالک عام طور پر اجناس کی برآمد پر انحصار کرتے ہیں، جن کی مانگ محدود ہوتی ہے، اس لیے وہ ہمیشہ ان پیداواری صنعتوں سے پیچھے رہیں گے جہاں طلب لامحدود ہے۔ لیکن کئی غریب ممالک نے جدید ٹیکنالوجیز کو اپناتے ہوئے اس دعوے کو کمزور کر دیا ہے۔

ایک حتمی وضاحت گلوبلائزیشن (بھی) ہے جس میں بعض غریب ممالک کے پروڈیوسروں (اشیاء بنانے والوں) کے مقابلے میں موثر طریقے سے بنائی گئیں برآمدات سستی بیچی جاتی ہیں۔ دوسری طرف، بنگلہ دیش، ویتنام اور فلپائن جیسے ممالک میں آمدنی بہت زیادہ بڑھ رہی ہے کیونکہ امیر ممالک نے اپنا کام انہیں آؤٹ سورس کر دیا ہے مطلب امیر ممالک ان ملکوں میں چیزیں تیار کرواتے ہیں۔

دیگر وضاحتیں

مزید قائل کرنے والی/قابل یقین وضاحتیں (بھی) ہیں۔

ثقافتی عوامل

کچھ جگہوں پر خواتین کو گھر سے باہر کام کرنے، یا کم درجہ والے (جن کا کوئی سٹیٹس نہیں ہوتا) گروہوں کو پیشوں یا ملازمتوں میں شامل کرنے کی اجازت جیسے ثقافتی امتیازات/فرق واضح طور پر اہم ہیں۔ جنگیں اور خانہ جنگیاں جو اکثر مختلف مذہبی یا نسلی گروہوں کے درمیان ہی لڑی جاتی ہیں، وہ سرمایہ کاری اور ترقی میں خلل ڈالتی ہیں۔ بعض اوقات ایسا تشدد بھڑک اٹھتا ہے (مطلب مزید کشیدگی کا باعث بنتا ہے) کیونکہ کسی ملک پر جمہوری رضامندی نہیں بلکہ طاقت کے ذریعے حکومت کی جاتی ہے۔ یہ الفاظ دیگر سول ادارے بھی بہت اہم ہیں۔

ادارہ جاتی اور پالیسی کے فرق/امتیازات

اس کے بعد پالیسی کی غلطیاں ہوتی ہیں جیسے درآمدات کا متبادل۔۔۔ مقامی سطح پر ایسی چیزیں تیار کرنے کی کوشش جو بیرون ملک سے سستی خریدی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح مرکزیت پر مبنی اقتصادی منصوبہ بندی اور پیداوار نجی سرمایہ کاری اور کاروبار کو بے دخل کر سکتی ہیں، اور گہری سیاسی عدم مساوات کو پروان چڑھا سکتی ہیں۔

یقیناً، بین الاقوامی مساوات کے لیے سب سے بڑا خطرہ اکثر خود حکومت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، چھوٹے کاروباروں پر من مانی اور ضرورت سے زیادہ ضابطے، بری کارکردگی کے حامل ریاستی سکول، زیادہ ٹیکس جو مراعات کو کم کر دیتے ہیں، سرکاری قرض اور سرپرستی، یہ سب ممالک کو روکے رکھ سکتے ہیں مطلب ان کو ترقی نہیں کرنے دیتے۔ غیر ملکی حکومتیں بھی شاید مدد نہ کر پائیں: بہت سے غریب ممالک جو چینی یا کافی جیسی واحد فصلوں پر انحصار کرتے ہیں ان کی اشیاء امریکہ اور یورپی یونین جیسی امیر منڈیوں میں اعلیٰ تحفظ پسند تجارتی رکاوٹوں کی وجہ سے مقابلہ کی دوڑ سے باہر رہتی ہیں۔

دولت میں (سرمایہ کاری یا منافع کے زریعے) اضافہ

بالکل اسی طرح دولت میں اضافہ بھی اہم ہے۔ کیپٹل گڈز جیسے کارخانے اور مشینیں، کمپیوٹرز کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ بہت کم محنت کا استعمال کرتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ پیداوار پیدا کر سکیں، جتنا کہ وہ دوسری صورت میں (ہاتھ / جسمانی طور سے) کر سکتے تھے۔ تقریباً 250 سال پہلے صنعتی انقلاب کی بنیاد اسی سادہ خیال پر رکھی گئی تھی جو ترقی یافتہ ممالک میں خوشحالی کے روز افزوں سلسلے کا باعث بنا۔

اگرچہ آج کے ترقی پذیر ممالک زیادہ تر اسی طرح کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں، لیکن ان کے پاس اپنی دولت اور سرمایہ (بشمول انسانی سرمایہ: معیاری تعلیم تک رسائی کے لیے سرمایہ کاری کی ضرورت تو ہوتی ہے تاہم یہ ملک کی پیداواری صلاحیت میں بہت زیادہ اضافہ بھی کرتی ہے) بنانے کے لیے کم وقت ملا ہے۔ کچھ، جیسے کہ ذیلی صحارا کے کئی ممالک (صحرائے اعظم کے جنوب میں واقع ممالک)، نے ریاستی سوشلزم جیسی دیگر حکمت عملیوں پر عمل پیرا ہو کر غیر پیداواری طور پر وقت ضائع کیا لیکن اب وہ بھی اسی راستے پر گامزن ہیں۔

تاہم، سرمایہ بنانا ایک طویل اور مشکل عمل ہے، آخر کار ترقی یافتہ ممالک کو بھی تو اس مقام تک پہنچنے میں تقریباً 250 سال لگے جہاں وہ اب ہیں (اور بجا طور پر لبرل اداروں کی تشکیل بشمول قانون کی حکمرانی، شہری اور سیاسی حقوق، تعلیم اور تجارت کے فوائد میں وسیع پیمانے پر اضافے کے ساتھ یہ عمل اس سے پہلے شروع ہوا تھا)۔ اس لئے ممالک کو یکساں / مساوی بنانے کی کوشش کرنے کی بجائے ایک طویل المدتی حکمت عملی شاید ان کے اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے عمل میں تیزی لانے کے لئے ممد ثابت ہو سکتی ہے۔

ایک نوجوان دنیا

یہ بھی یاد رکھیں کہ لوگ اپنی عمر کے ساتھ ساتھ / مختلف مراحل میں دولت جمع کرنے کی کوشش

کرتے رہتے ہیں۔اور دنیا کی نصف آبادی 30 سال سے کم عمر کی ہے۔ذیلی صحارا کے بیشتر حصوں میں، نصف آبادی کی عمر 20 سال سے کم ہے۔اس کے برعکس زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک میں نصف آبادی کی عمر 40 سال سے زائد ہے۔اس لیے ترقی یافتہ ممالک کے شہریوں کو اپنا انسانی اور مالی/مادی سرمایہ بنانے کے لیے زیادہ وقت ملا۔اور یہ امر بھی زائد العمر (جن کے شہری بڑی عمر کے ہیں) اور امیر ممالک اور کم عمر (شہریوں والے) اور غریب ممالک کے درمیان موجودہ عدم مساوات کا باعث ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ، صحت کی دیکھ بھال، تعلیم، سرمایہ جمع کرنے میں بہتری اور وقت اسے ختم کر دے گا۔

مساوات، غربت اور ترقی

پالیسی ریسرچر ٹم ورسٹال نے جیسا 2019 میں نشاندہی کی، IMF کا خیال ہے کہ ایک جینی 'سویٹ اسپاٹ' ہے-- کہ تھوڑی سی عدم مساوات ممالک کو امیر ہونے میں مدد دیتی ہے، جبکہ بہت زیادہ (عدم مساوات) ان کی اقتصادی ترقی کو متاثر کرتی ہے۔یہ معقول دکھائی دیتا ہے، سوائے اس کے کہ آئی ایم ایف کا 'سویٹ اسپاٹ' (وہ نقطہ جہاں پر اعشاریہ یا پالیسی لاگت اور منافع کے درمیان بہترین توازن ظاہر کرتی ہے) اس سے تھوڑی زیادہ مساوات کی نمائندگی کرتا ہے جو کہ اب امریکہ میں (فرض کیا انتہائی غیر مساوی)، تقریباً اتنی جتنی کہ برطانیہ میں موجود ہے، اور فرانس اور سویڈن کے مقابلے میں بہت کم۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ غریب ممالک کو اندرونی تقسیم سے فائدہ ہو گا، لیکن امیر ممالک اس سے خود کو نقصان پہنچائیں گے۔

لیکن پھر آئی ایم ایف کا یہ طریقہ/حل شاید غلط بھی ہو سکتا ہے۔یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کیوں زیادہ مساوات اقتصادی ترقی کو فروغ دے سکتی ہے۔یہ تصور کرنا آسان ہے کہ تیز رفتار ترقی عدم مساوات کو کیوں بڑھا سکتی ہے: بس کاروباری افراد کی آمدنی دوسروں سے آگے بڑھتی ہے کیونکہ وہ سامنے والے نئے مواقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

غربت کے حوالے سے پیشرفت

ان دعوؤں پر یقین کرنا بھی مشکل ہے کہ دنیا کے غریب، غریب تر ہوتے جا رہے ہیں جب بدترین غربت (یومیہ 1.90$ یا اس سے کم پر زندگی گزارنا۔ اسے غربت تسلیم کیا گیا ہے) اتنی تیزی سے

Figure 2 World population living in extreme poverty, 1820 to 2015

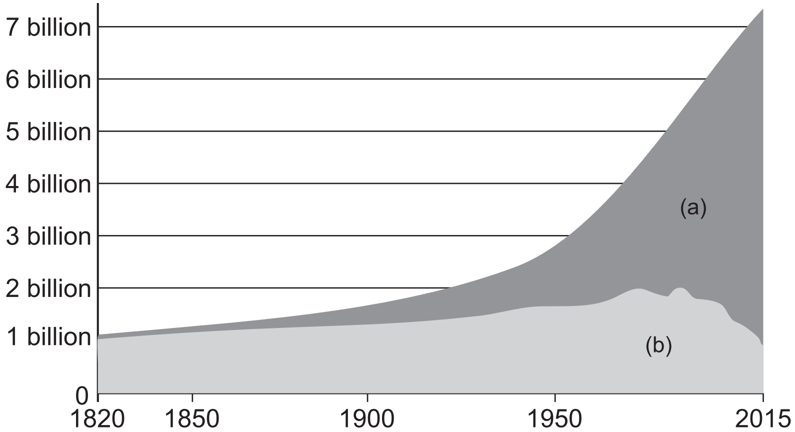

Source: Roser and Ortiz-Ospina (2013): Ravallion (2016) updated with World Bank (2019)

Notes: (a) Number of people not living in extreme poverty.
(b) Number of people living in extreme poverty. See Hasell and Roser (2019) for the strengths and limitations of this data and how historians arrive at these estimates.

فگر 2 1820 تا 2015 انتہائی غربت میں زندگی گزارنے والی عالمی آبادی

سکڑ رہی ہے۔ جیسا کہ جان نوربرگ اپنی 2016 کی کتاب "پراگریس" میں بتاتا ہے کہ پچھلے 25 سالوں میں اوسطاً ایک ہفتے میں تقریباً دس لاکھ افراد کو (1.90$ یومیہ) غربت سے باہر نکالا گیا ہے۔

1950 میں، دنیا کی تقریباً دو تہائی آبادی 1.90$ یومیہ یا اس سے کم پر گزارہ کرتی تھی۔ 1980 میں جب گلوبلائزیشن (عالمگیریت) اور تجارت نے تیزی سے پھیلنا شروع کیا تو یہ تقریباً 2/5 تھا۔ 1990 تک، یہ گر کر صرف ایک تہائی رہ گیا تھا۔ اب یہ دس میں سے ایک (رہ گیا) ہے (مہنگائی کا باعث بننے والے تمام اعداد و شمار)۔

اور یہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے باوجود ہے: 1990 میں 1.90$ غربت کا عدد تقریباً 1.9 بلین (ایک ارب نوے کروڑ) لوگوں کی نمائندگی کرتا تھا۔ اور چونکہ اس وقت سے دنیا کی آبادی میں ایک تہائی اضافہ ہوا ہے، اس لیے ہم توقع کر سکتے ہیں کہ 1.90$ یومیہ غربت اب تک 2.5 بلین سے کچھ زیادہ ہو گی۔ درحقیقت یہ، زیادہ تر ذیلی صحارا افریقہ میں، 700 ملین تک ہے۔ اس کے باوجود یہ نائجیریا، کانگو، استوائی گینیا، جنوبی سوڈان، تنزانیہ، ایتھوپیا اور مڈغاسکر۔۔۔ زیادہ تر سوشلسٹ ممالک جو عالمی تجارتی نظام میں اچھی طرح سے مربوط نہیں ہیں، وہاں زیادہ ہے۔ دیگر علاقوں/ ممالک میں یہ تقریباً مفقود/ ناپید ہو گئی ہے۔ مجموعی طور پر، 1.90$ یومیہ غربت اس دنیا میں زیادہ دیر نہیں رہے گی۔ درحقیقت، تجارت اور عالمگیریت۔۔ لبرل جمہوری اداروں کے ساتھ جو انہیں ممکن بناتے ہیں۔۔ غربت اور عدم مساوات دونوں کے لیے بہترین تریاق معلوم ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے آج جنگ کے بعد کے مشرقی اور مغربی جرمنی، یا شمالی اور جنوبی کوریا کو ہی دیکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ زیادہ مارکیٹ پر مبنی معیشتوں میں دولت کی تخلیق اور پھیلاؤ اور غربت، عدم مساوات اور سوشلسٹ اشرافیہ کی درجہ بندی کو سمجھا جا سکے۔ جیسا کہ پروفیسر فلپ بوتھ اور بین ساؤتھ ووڈ نے 2017 میں نشاندہی کی کہ 1980 کی دہائی کے اوائل میں ویتنام میں اوسط اجرت صرف 100$ سالانہ تھی، بعد میں عالمگیریت کے مواقع نے اسے اس رقم کو 20 گنا تک بڑھا دیا تھا؛ چین، جو اب ایک بڑا برآمد کنندہ/ ایکسپورٹر ہے، میں اوسط اجرت 35 گنا بڑھ گئی ہے۔ ہماری زیادہ باہم جڑی ہوئی اور ایک دوسرے پر منحصر دنیا زیادہ مساوی اور امیر تر بھی ہو رہی ہے۔

6

کیا امیر ہی امیر تر ہوں گے ؟

" کیپیٹل اِن ٹوئنٹی فرسٹ سینچری" (نامی کتاب، 2017) میں فرانسیسی ماہر اقتصادیات تھامس پیکیٹی کا استدلال ہے کہ دولت سے حاصل ہونے والا منافع/محاصل (ریٹرنز) ہمیشہ اقتصادی ترقی کی عمومی شرح سے زیادہ ہوتا ہے (یا جیسا کہ وہ کہتے ہیں، $r > g$ یعنی ریٹرنز گروتھ سے زیادہ)۔ اسی کے مطابق سرمایہ دار عام کارکنوں کی نسبت زیادہ تیزی سے دولت جمع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی (امر) امیر اور غریب کی تقسیم کو مزید گہرا اور برقرار رکھتا ہے، جس سے کرایہ پر دینے والی ایک اشرافیہ پیدا ہوتی ہے کل دولت میں جس کا حصہ مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔

پھر کیوں 300 سال تک نسبتاً آزاد منڈیوں کے بعد بھی سرمائے کی مالک اس اشرافیہ نے دنیا کی ساری دولت پہلے ہی جمع نہیں کر لی؟ پیکٹی جواب دیتا ہے کہ سرمایہ وقتاً فوقتاً جنگوں کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔۔۔ لیکن پھر یہ عمل دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا، سرمائے پر مبنی دولت کے جمع ہونے یا اس میں اضافے پر قابو پانے کے لیے، وہ ایک گریجویٹڈ (جتنا زیادہ سرمایہ اتنا زیادہ ٹیکس) عالمی ویلتھ ٹیکس، جو کہ امیر ترین افراد پر 80 فیصد تک بڑھایا جا سکتا ہے، اور اس کے ساتھ زیادہ وراثتی ٹیکس تجویز کرتے ہیں۔

دولت غیر یقینی ہے/دولت ناقابل اعتبار

پیکٹی کے ناقدین شکایت کرتے ہیں کہ جنگ بہت سے عوامل میں سے صرف ایک ہے جو سرمائے کو جمع کرنے اور برقرار رکھنے کے خلاف کام آتی ہے۔ کسی طرح کی ریٹرن/منافع پیدا کرنے کے لیے سرمایہ پیدا، بڑھایا، منظم، برقرار رکھا اور سمجھداری سے لگانا چاہیے۔ اس کے مالکان ان میں سے کسی بھی مرحلے میں ناکام ہو سکتے ہیں، اور اکثر ہوتے بھی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر لوگ قسمت/دولت بنانے میں

کامیاب بھی ہو جائیں تو وہ یا ان کے ورثاء غلطیوں، غلط حسابات اور بد قسمتی سے اسے دوبارہ آسانی سے کھو سکتے ہیں۔ در حقیقت، رابرٹ آرنوٹ اور ساتھیوں کے 2015 کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وراثت میں ملنے والی خاندانی دولت کا نصف تقریباً دس سالوں میں ضائع ہو جاتا ہے۔ خاندانی دولت کو عروج و زوال ہے مطلب بڑھتی اور گھٹتی ہے، اور بہت کم لوگ زیادہ عرصے تک سنڈے ٹائمز کی امیروں کی فہرست یا فوربس کے ارب پتیوں کی فہرست میں اپنی جگہ برقرار رکھ پاتے ہیں۔

دولت کو ہڑپ کر کے ۔۔۔ دوسرے لفظوں میں، مسلسل سرمایہ کاری کی بجائے اسے خرچ اور اس سے لطف اندوز ہو کر۔۔ بھی اسے ضائع کیا جا سکتا ہے۔ اور (جیسے جم سیٹھ جی ٹاٹا، بل گیٹس، جارج سوروس، اینڈریو کارنیگی اور سینسبری اور ویسٹن فیمیلیز کی طرح) اسے انسان دوستی کے کاموں میں دے کر بھی۔ اس کے باوجود پیکیٹی یہ تصور کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ یہ سرمایہ بغیر کسی کاوش کے ایسے منافع کا باعث بنے کا جو اپنے مالکان کو مالدار بناتا ہے، کسی ایسے درخت سے گرتے پھل کی طرح جسے کسی نہ کسی طرح پانی دینے، کٹائی کرنے، کیڑوں پر قابو پانے یا پھیلنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

ہر سرمائے کی سرمایہ کاری میں خطرہ ہوتا ہے۔۔ ایک ایسا لفظ جس کا ذکر پیکیٹی کی کتاب میں بمشکل ملتا ہے، اور پھر صرف دینے میں۔ پراڈکٹس اور کمپنیاں ناکام ہو سکتی ہیں، یا تیزی سے بڑھتے ہوئے حریفوں کے سامنے جھک سکتی ہیں، اور ان کے پشتیبانوں/سرمایہ کاروں کے پاس کم پیداوار والی یا بیکار سرمایہ کاری بچتی ہے۔ دس سال کے عرصے میں سرمایہ کتنا منافع کما سکتا ہے رسک یہ پیشن گوئی مشکل بنا دیتا ہے، سو سال کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ اور یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا خطرہ بھی Piketty کے $r > g$ کی نفی کرتا ہے۔ مغربی معیشتوں میں، 1980 کی دہائی کے اوائل سے ہی سرمائے پر منافع میں کمی آ رہی ہے، اور رسک اس منافع کو مزید غیر یقینی/غیر مستحکم بنا دیتا ہے۔

دولت کی دوسری شکلیں/دولت کی دیگر اقسام

یہ بھی یاد رکھیں کہ سرمایہ کے مالک اور کارکن الگ الگ گروہ نہیں ہیں۔ کارکن پنشن اور بچت کے

منصوبوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں، جس سے انہیں اپنے کیپٹل ہولڈنگز/مال ملتا ہے۔ اور پیکٹی سرمائے کی سب سے اہم اور وسیع پیمانے پر مشترکہ شکل کو نظر انداز کرتے ہیں، یعنی انسانی سرمایہ/وسائل۔ یہ، جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا جاچکا ہے، وہ چیز ہے جس کے ہم سب مالک ہیں اور اس میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔۔ مہارت حاصل کرنا، کالج جانا، زبانیں سیکھنا، بہتر ملازمتوں کی طرف جانا وغیرہ۔ ادائیگی/بدلے کے لحاظ سے، یہ شاید بہترین سرمایہ کاری ہے جو ہم میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ پہلے سے دولت مند چند لوگوں کا توشہ ہی نہیں (بلکہ) ہم سب کے پاس ہے یہ یا ہم سب اسے حاصل کر سکتے ہیں۔

اس حوالے سے صرف غریب تارکین وطن گروپوں کی کامیابی پر ہی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ لوگ جو جسمانی یا مالی سرمایہ کے بغیر ہیں، لیکن جو اپنے انسانی سرمائے میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے تیار ہیں، وہ کیسے ترقی کر سکتے ہیں اور اکثر کرتے بھی ہیں۔ برطانیہ کے سب سے اوپر 1 فیصد کمانے والوں میں سے ایک چوتھائی تارکین وطن ہیں، اسی طرح FTSE کے 100 چیف ایگزیکٹوز میں بھی ایک تہائی سے زیادہ ہیں، امریکہ کی اعلیٰ ترین منافع بخش 500 کمپنیوں کا پانچواں حصہ تارکین وطن کی جانب سے قائم کیا گیا تھا، اور ایک اور پانچواں حصہ تارکین وطن کے بچوں نے بنایا تھا۔ ٹھیک ہے کہ ان میں سے کچھ دولت مند لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو ملکوں کے درمیان منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کافی ایسے ہیں جو غربت سے خوشحالی کی طرف سفر کی کہانیاں ہیں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ آپ کو مالی طور پر امیر ہونے کے لیے مالی طور پر امیر آغاز کی ضرورت نہیں ہے۔

مساوات کے بغیر خوشحالی

پیکٹی انیسویں صدی کے 'Gilded Age' کی توثیق کرتا ہے جس میں آمدنی میں تیزی آئی۔۔ حالانکہ اس وقت ٹریڈ یونینوں کے تحفظ کے لیے کوئی قانون نہیں تھا، کوئی کم از کم اجرت نہیں تھی، کوئی فلاحی

ریاست نہیں تھی، اور نہ ہی بہت سی دوسری چیزیں جن کا تصور عام طور پر مساوات کو فروغ دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت بجلی، ٹیلی گراف، ٹائپ رائٹر اور سلائی مشین جیسی ایجادات نے صنعتی پیداوار میں اضافہ کیا، جس سے اجرت میں اضافہ ہوا، کام کے اوقات کم اور زیادہ خرچ کرنے کی طاقت آئی، جس سے تمام معاشی گروہوں، خاص طور پر غریب ترین افراد کو فائدہ ہوا۔ ان کا یہ دعویٰ کہ 'آبادی کا غریب ترین نصف آج بھی اتنے ہی غریب ہیں جتنا کہ وہ ماضی میں تھے، 2010 میں کل دولت کے بمشکل 5 فیصد کے ساتھ، بالکل اسی طرح جیسے 1910 میں' اس حقیقت کو مکمل طور پر نظر انداز کرتا ہے کہ بڑھتی ہوئی پیداواری صلاحیت نے سب کو 1910 کے مقابلے میں بہت زیادہ امیر بنایا ہے۔ اسی طرح آمدنی کا 'زبردست دباؤ'، خاص طور پر امریکہ میں، دوسری جنگ عظیم کے بعد یونین کے حامی قوانین یا پھیلتی ہوئی فلاحی ریاست کی خوش آئند پیداوار نہیں تھا، بلکہ جنگ کے بعد بڑھتی ہوئی تجارت کا نتیجہ تھا۔

اگر آپ کسی ملک کو غریب بنانا چاہتے ہیں، تو پیکٹی کی "ری ڈسٹری بیوشن" کی پالیسیاں ایک اچھی حکمت عملی ہے۔ وہ ممالک جو سرمائے کے مالکان پر جرمانہ عائد کرتے ہیں وہ لامحالہ لوگوں کے لیے سرمایہ تخلیق کرنے، جمع کرنے، محفوظ کرنے اور سرمایہ کاری کرنے کو کم فائدہ مند بناتے ہیں۔ ان کے پاس ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری کم ہے اور پیداواری منصوبوں کو فنڈ دینے کے لیے کم بچت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ترقی کے بجائے تقسیم پر ان کی توجہ کا نتیجہ کم ترقی، کم پیداواری صلاحیت اور کم خوشحالی کی صورت میں نکلتا ہے، جس سے غریبوں کو سب سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

7

اخلاقی معاملے پر سوال/اعتراض اٹھانا

مساوات کے معاشی دلائل کے ساتھ ساتھ اخلاقی دلائل بھی ہیں۔ وہ اس خیال پر تکیہ کر سکتے ہیں کہ مساوات کا اصول اعلیٰ اقدار جیسے ہماری عالمگیر انسانیت سے حاصل ہوتا ہے: یا یہ کہ مساوات اپنے آپ میں ایک اچھی چیز ہے کیونکہ یہ منصفانہ یا اچھی ہے۔ یا یہ کہ یہ دیگر اقدار جیسے اعتماد اور سماجی ہم آہنگی فراہم کرتی ہے۔ آیئے ان میں سے ہر ایک کو دیکھتے ہیں۔

عالمگیر انسانیت کی دلیل

مساوات کے لیے عالمگیر انسانیت کا مقدمہ یہ ہے کہ تمام اہم معاملات میں انسان ایک جیسے ہیں۔ ان کی ایک جیسی شناخت ہوتی ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ بنیادی طور پر برابر ہیں اور اسی طرح ان کے ساتھ یکساں سلوک/برتاؤ کرنا چاہیے۔

اس تجویز میں مسائل ہیں۔ سب سے پہلے، ہم شناخت سے مساوات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ نمبر 3 اور 5 اس شناخت کا اشتراک کرتے ہیں کہ وہ دونوں عددی اعداد ہیں۔ لیکن وہ برابر نہیں ہیں: اور نہ ہی ہم انہیں ایسا (برابر) بنا سکتے ہیں۔ اگرچہ لوگ بے احتیاطی سے انسانوں کے 'برابر پیدا ہونے' کی بات کرتے ہیں، لیکن واضح حقیقت یہ ہے کہ وہ نہیں ہیں۔ فطری طور پر سے وہ کئی طرح سے۔۔ جسمانی، فکری اور اخلاقی لحاظ سے۔۔۔ مختلف ہیں۔ عالمگیر انسانیت سے اپیل کے لیے کہ کسی خاص خصوصیت کی برابری کا جواز پیش کیا جائے، ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسے انسانی شناخت کے لازمی نشان کے طور پر دوسروں کو کیوں پس پشت ڈالنا چاہیے۔ یہ کوئی ایسا امتحان نہیں ہے کہ جسے دولت یا آمدنی پاس کر سکے۔ بعض ناقدین یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ خواہ انسانوں کی فطری حالت برابر ہی کیوں نہ ہو، تب بھی وہ حالت ضروری نہیں کہ اخلاقی، مطلوبہ یا پائیدار ہو۔ جیسا کہ فلسفی تھامس ہوبز (1651) نے کہا تھا کہ

یہ ایک ایسی حالت ہو سکتی ہے جہاں زندگی 'تنہا، غریب، گندی، وحشیانہ اور مختصر' ہو۔ ایسے ناقدین یہ استدلال کریں گے کہ ایک غیر مساوی معاشرہ بہتر نتائج دے سکتا ہے۔ ایک بار پھر، اگلے کو یہ ظاہر کرنا پڑے گا کہ پیدائشی مساوات کی دلیل میں کوئی وزن پیدا ہونے سے پہلے یہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

انسانیت کی دوسری شکلیں

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ آمدنی یا دولت میں جو فرق ہم دیکھتے ہیں وہ کسی کا شعوری انتخاب نہیں ہیں۔ وہ محض غیر ذاتی معاشی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اور اگر ہم شعوری طور پر اپنی مشترکہ انسانیت کی بنیاد پر آمدنی مختص کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے، تو کیا کسی بھی صورت برابری ہماری خواہش ہوتی؟ شاید ہماری انسانیت کا ایک بہتر اعشاریہ دوسروں کے ساتھ ہمارا کم سے کم سلوک ہو گا۔ مثال کے طور پر دوسروں کو نقصان نہ پہنچانے کا عزم کرنا، اور انتہائی بدقسمت افراد کے لیے ایک سیفٹی نیٹ یا 'حفاظتی جال' فراہم کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو ساتھی انسانوں کے طور پر ان کا مناسب خیال اور احترام دیا جائے، لیکن ضروری نہیں کہ یہ خیال اور احترام مساوی یا ایک جیسا ہو۔

درحقیقت، غیر مساوی معاشروں میں زیادہ غور اور احترام ہو سکتا ہے۔ تخصص (سپیشلائزیشن) پر مبنی معیشتوں میں، ہم لوگوں کو ان کی مختلف مہارتوں کی وجہ سے معاشی طور پر اہمیت دیتے ہیں؛ اور ان کی سماجی حیثیت یا دوستی یا ہمت جیسی دیگر پیمائشوں یا خصوصیات پر ان کی مختلف طرح سے قدر کرتے ہیں۔ غالباً یہ بہتر ہے کہ ان متنوع پیمائش / خصوصیات پر لوگوں کی قدر ان کے ساتھیوں کی طرف سے کی جائے، بجائے اس کے کہ ایک ہی پیمانہ / خصوصیت کے زور پر ان لوگوں کی طرف سے قدر کی جائے جن کے پاس اختیار ہے۔ عالمگیر انسانیت کا تقاضا ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان فرق کو تسلیم کریں، نہ صرف ان کی مماثلتیں؛ اور یہ کہ ہم لوگوں کے ساتھ انفرادی طور پر نہ کہ ایک تصور جیسے کہ آمدنی یا دولت کی بنیاد پر برتاؤ کریں۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ آزاد افراد کے مختلف عزائم ہوتے ہیں، جن میں غیر مالیاتی / غیر مالی بھی شامل ہیں، یہ ناگزیر ہے کہ ان کے درمیان آمدنی اور دولت کی عدم مساوات

پیدا ہو جائے۔ لیکن یہ وہ حتمی خصوصیات نہیں ہیں جو انسانیت کی تعریف کرتی ہیں۔

جان رالز: مساوات اور انصاف

معاشی مساوات کے لیے معقول اخلاقی مقدمہ فراہم کرنے کی شاید سب سے کامیاب کوشش جان رالز کی 'اے تھیوری آف جسٹس' ہے۔ ان کا طریقہ ایک سوچا سمجھا تجربہ ہے: اگر ہمیں کسی معاشرے کو ڈیزائن کرنا پڑے، لیکن ('جہالت کے پردے' کے پیچھے سے) ہم نہیں جانتے کہ اس میں ہماری جگہ کیا ہوتی، ہم کس قسم کی تقسیم ڈیزائن کرتے؟ ان کا جواب یہ ہے کہ ہم احتیاط برتتے اور ایک نسبتاً مساوی معاشرے کا انتخاب کرتے جس میں ایک مضبوط حفاظتی جال ہوتا تاکہ کمزوروں یا محروموں کو سپورٹ کیا جا سکے۔

امکانات، مساوات نہیں

یہ ایک تعلیمی ماہر کے لیے فطری انتخاب ہو سکتا ہے۔ لیکن ماہرین تعلیم رسک مخالف کے طور پر بدنام ہیں۔ دوسروں کے رسک کے بارے میں متنوع ردعمل ہوتے ہیں اور غالباً وہ اس جوئے میں مختلف شرطیں بھی لگائیں۔ بہت سے لوگ 'بڑا ہاتھ مارنے' کے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے مکمل تیار ہو سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ بہت کم مساوی معاشرے میں خوشحال بن جائیں۔

ریاضی کے لحاظ سے، ایک معقول جواری کم از کم حفاظتی جال کا انتخاب کرے گا، لیکن مساوات کا نہیں۔ اور مختلف قسم کے معاشرے جواریوں کو ان کے انتخاب کی وہی ریاضیاتی متوقع قیمت/قدر دیں گے۔۔ پس مساوات کے آپشن کے بارے میں کوئی انوکھی عقلی بات ویسے بھی نہیں ہے۔

لیکن اگر جواری یہ فیصلہ کر سکتے کہ صرف اس کی (دولت کی) تقسیم نہیں بلکہ معاشرے کے پاس کتنی دولت یا آمدنی ہو، تو وہ ایک غریب، جمود کا شکار لیکن زیادہ مساوی کی بجائے ایک امیر، بڑھتا ہوا لیکن کم برابر کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یا وہ ایک کم مساوی لیکن متحرک معاشرے کا انتخاب کر سکتے ہیں، یہ یقین

رکھتے ہوئے کہ اس سے مراعات بڑھیں گی اور ترقی اور خوشحالی کو فروغ ملے گا۔ یا وہ ایسے معاشرے کا انتخاب کرتے جو معاشی طور پر غیر مساوی ہوتا لیکن دوسرے حوالوں سے، جیسے سماجی حیثیت، مساوی ہوتا۔ بدقسمتی سے، رالز کا منظر نامہ ایسے امکانات کی اجازت نہیں دیتا، جو موثر طریقے سے اقتصادی مساوات کے علاوہ ہر چیز کو مسترد کرتا ہے۔

منتخب معلومات

رالز یہ بھی فرض کرتے ہیں کہ جواری ایک 'فطری مساوات' رکھتے ہیں، اس لیے انہیں اپنا انتخاب عقلی بنیادوں پر کرنا چاہیے نہ کہ کسی توقع پر کہ وہ اپنی مخصوص طاقتوں یا صلاحیتوں کا استعمال منتخب معاشرے کی تشکیل نو کے لیے ان طریقوں سے کر سکتے ہیں جو ان کے لیے بہتر ہوں۔ اور وہ (رالز) یہ سوچتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اسی صورت میں ایک غیر مساوی معاشرے کا انتخاب کریں گے اگر سب اس سے مستفید ہوں۔ لیکن یہ فرضی 'قدرتی مساوات' خود بخود ان انسانی امتیازات/فرق کو دور کر دیتی ہے جو حقیقت میں معاشروں کی تشکیل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قابل اور پرجوش لوگوں کے پاس مساوات کا انتخاب کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ وہ ایک غیر مساوی معاشرے کو ترجیح دیتے جہاں وہ چوٹی تک پہنچنے کے لئے اپنا راستہ بنا سکتے۔

جواریوں کو واضح طور پر اس بات سے کچھ واقفیت ضرور ہونی چاہیے کہ معاشرے کس طرح کام کرتے ہیں یہ جاننے کے لیے کہ وہ کس چیز پر شرط لگا رہے ہیں؛ لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خوشحال بننے کے حوالے سے پر اعتماد ہوں۔ رالز کا خیال ہے کہ وہ سب انصاف کے اصول کو سمجھتے ہیں، لیکن چونکہ وہ اسے انصاف کے طور پر بیان کرتا ہے، اس لیے یہ لامحالہ ان کے انتخاب کو تنوع یا سماجی نقل و حرکت جیسے دیگر امکانات کی بجائے مساوات کی طرف دھکیلتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، وہ اپنے جواریوں اور ان کے جوئے کو ان طریقوں سے ڈیزائن کرتا ہے جو لازمی طور پر خاندان یا میرٹ یا پھر آزادی جیسے معاشرے کے دیگر پہلوؤں کو زیر کرتے ہوئے مساوات کے

معاملے کی حمایت کریں۔ در حقیقت 'اے تھیوری آف جسٹس' میں آزادی اور اس کی قدر کا بہت کم ذکر ہے۔ اور جب کہ خاندان اور پرورش واضح طور پر عدم مساوات کا ایک بڑا ذریعہ ہیں، رالز اسے اپنے قیاس کردہ عقلی، مساوی معاشرے سے نکالنے سے پیچھے ہٹتے ہیں۔

خدمت کرنے والا یا مستحق

ہم دولت اور آمدنی کو خواہ جتنا بھی مساوی کر لیں، یہ حقیقت اپنی جگہ پھر باقی رہ جاتی ہے کہ دیگر انسانی امتیازات/فرق ہمیں بہت سے مختلف طریقوں سے غیر مساوی بناتے ہیں۔ مساوات کو بحال کرنے کے لیے، رالز نے تجویز پیش کی کہ فطری صلاحیتوں کے حامل افراد کو انہیں صرف عام بھلائی کے لیے استعمال کرنا چاہیے، نہ کہ اپنی ترقی کے لیے۔ لیکن جب کہ اس طرح کے قدرتی اوصاف قسمت کا معاملہ ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ 'مستحق نہیں' ہیں اور اس لیے انہیں ترک کر دیا جانا چاہیے۔ ذاتی کامیابی تقریباً ہمیشہ کسی نہ کسی قدرتی معیار سے جڑی ہوتی ہے، جیسے فٹنس یا مہارت؛ لیکن ہم پھر بھی سوچتے ہیں کہ کھلاڑی اپنے تمغوں کے 'مستحق' ہیں، اور یہ تصور نہیں کرتے کہ دوسرے لوگوں کا ان پے (تمغوں پر) کسی طرح کا کوئی حق ہے۔ خلاصہ یہ کہ رالز کا استدلال، اگرچہ انتہائی بااثر ہے، مگر غیر تسلی بخش ہے۔ انصاف کا مطلب صرف غیر جانبداری/عدل نہیں ہوتا؛ بہت کم اس کا مطلب مساوات ہوتا ہے۔ ایک منصفانہ معاشرہ وہ ہے جو لوگوں کا بطور فرد احترام کرتا ہے، ان کے فرق کو برداشت کرتا ہے، ان کی آزادی کو محفوظ رکھتا ہے، ان کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے، اور ان پر جبر کو کم سے کم کرتا ہے۔ اگر ہم ایک مساوی معاشرے کے پہلے سے تصور کردہ خیال کے ساتھ شروع کرتے ہیں تو ہم ان میں سے کسی بھی نتائج کی ضمانت نہیں دے سکتے۔

8

عملی دعوؤں پر سوال/اعتراض

قابل اعتراض پھر یہ بھی ہے کہ مساوات کو اپنے آپ میں ایک اخلاقی بھلائی کے طور پر، یا انصاف جیسی بنیادی اقدار سے پیدا ہونے والی قدر کے طور پر کہاں تک پر کھا جا سکتا ہے۔ اور اس بارے میں بھی شکوک و شبہات موجود ہیں کہ مساوات ہمیں دیگر اقدار کے حصول میں کس حد تک مدد دیتی ہے۔

'دی سپرٹ لیول' کی غلطیاں/خامیاں

کیٹ پکٹ اور رچرڈ جی ولکنسن کی کتاب 'دی سپرٹ لیول' کا مقالہ یہ ہے کہ غم (ناخوشی) سے لے کر موٹاپے، ذہنی بیماری، بچوں کی اموات، ناقص تعلیم (خراب سکولوں) اور قتل کی شرح تک، تقریباً تمام سماجی مسائل کا تعلق آمدنی میں عدم مساوات سے ہے۔ مصنفین کا خیال ہے کہ یہ مسائل عدم مساوات کی وجہ سے پیدا ہونے والے حسد، عدم اعتماد اور لالچ جیسے نفسیاتی نقصان کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ اپنے مقالے کو ثابت کرنے کے لیے، وہ مختلف ممالک کی ان کی عدم مساوات کے لحاظ سے درجہ بندی کرتے ہیں اور پھر تقریباً ہر معاملے میں باہمی ربط تلاش کرتے ہوئے مختلف پیمانوں/پیمائشوں پر ان کی درجہ بندی کرتے ہیں۔ اگرچہ ارتباط/باہمی تعلق اور وجہ دو مختلف چیزیں ہیں، لیکن پھر بھی ان کے ثبوت و شواہد نے ہزاروں قارئین کو اس بات پر قائل کیا ہے کہ عدم مساوات واقعی طرح طرح کے سماجی مسائل کا باعث بنتی ہے۔

تاہم، بہت سے ناقدین کتاب کے مقالے، طریقہ کار اور نتائج پر سخت اعتراض کرتے ہیں، ان پر مبنی مقبول نتائج کا تو ذکر ہی نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر، برطانیہ کے ممتاز ماہر معاشیات جان کے (John Kay) بتاتے ہیں کہ زیادہ تر مبینہ باہمی تعلق کو سکیٹر گرام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور ان میں ایک ٹرینڈ لائن کھینچی گئی ہے۔ لیکن تقریباً ہر معاملے میں اتنے 'آؤٹ لائیر' (جن کا تعلق نہیں

بنتا، جو اس معاملے سے الگ تھلگ یا باہر ہیں) ممالک (اور اکثر، اتنے کم 'اِن لا یئرز' (یعنی جن کا تعلق بنتا ہے) ہوتے ہیں کہ ٹرینڈ لائن کے بغیر، ڈیٹا بالکل بے ترتیب بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔

چیری پِکڈ ڈیٹا

(کسی خاص نقطہ کی توثیق کے لئے انفرادی کیسز یا ڈیٹا کی نشاندہی اور اس سے متعلقہ ایک اہم نکتہ سے صرف نظر جو اس خاص نقطہ سے متصادم بھی ہو)

"دی اسپرٹ لیول ڈیلوژن" (2010) میں کرسٹوفر سنوڈن دلیل دیتے ہیں کہ کن ممالک کو شامل یا خارج کیا گیا ہے اس سے نتائج میں بہت بڑا فرق پڑتا ہے اور یہ قیاس شدہ ارتباط/ باہمی تعلق کو بے اثر کر سکتا ہے یا اس کے بالکل الٹ بھی کر سکتا ہے۔ "دی سپرٹ لیول" کے مصنفین کا دعویٰ ہے کہ ان کے انتخاب/ چوائسز کی اچھی وجوہات ہیں، اور انہیں اپنے آپ کو ان بڑے ممالک تک محدود رکھنا پڑتا ہے جو ڈیٹا اکٹھا کرتے ہیں جس کا وہ ہر معاملے میں جائزہ لے رہے ہیں، لیکن سنوڈن کا کہنا ہے کہ کچھ اقدامات (جیسے متوقع عمر) بہت زیادہ حساس ہیں اس بارے میں کہ کن ممالک کو شامل کیا گیا ہے، اور یہ کہ سنگاپور، جنوبی کوریا، ہانگ کانگ اور جمہوریہ چیک کو منہا کرنا، اس کے علاوہ خال خال دیگر ممالک کا اخراج جو شاید بیانیہ کے مطابق نہ ہوں، 'چیری چننے' ہی کے مترادف ہے۔

پیچیدہ وجوہات

سنوڈن کا کہنا ہے کہ اس بات کا امکان نہیں ہے کہ صحت، جرائم یا دیگر پیمانوں میں ملکوں کے درمیان فرق صرف عدم مساوات سے پیدا ہوں۔ مثال کے طور پر، خراب صحت کا تعلق زیادہ امکان ہے کہ غربت، ناقص/ غیر معیاری رہائش، خراب تعلیم، ہاتھ یا زرعی مزدوری میں زیادہ وقت، اور یہاں تک کہ متعلقہ ملک کی عمر (شہریوں کی عمر) سے ہو۔ قرین قیاس یہی ہے کہ نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح کا تعلق بھی عدم مساوات کی بجائے شادی کی عمروں، ادویات اور ڈیٹا اکٹھا کرنے میں پائے جانے

والے فرق سے ہو، اور اب تو نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات ترقی یافتہ ممالک میں اتنی نایاب ہے کہ کوئی بھی فرق غیر متعلقہ ہے (حالانکہ اس کی اہمیت کیا ہے، دنیا میں بچوں کی سب سے کم شرح اموات سنگاپور۔۔۔ایک انتہائی غیر مساوی معاشرہ۔۔۔میں ہیں)۔

موٹاپا، جسے ایک اور باہمی تعلق سمجھا جاتا ہے، عدم مساوات کے بجائے زیادہ ممکن ہے کہ مختلف ممالک کی خوراک اور طرز زندگی کی روایات کا عکاس ہو۔ تمباکو اور الکحل کے استعمال کی مختلف شرحیں ان مصنوعات پر عائد ٹیکسوں کے حجم سے متاثر ہو سکتی ہیں۔ ذہنی امراض کی شرح کی بھی عدم مساوات کی وجہ سے پیدا ہونے والی ذہنی کوفت کی بجائے بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بہت سے غریب ممالک کے پاس دماغی امراض کے بارے میں ڈیٹا بھی نہیں ہے، جب کہ امیر لوگ جو زیادہ نفسیاتی ماہرین کی استطاعت رکھتے ہیں قدرتی طور پر زیادہ مریضوں کی تشخیص کرتے ہیں۔

دیگر جگہوں میں بھی انہی پیچیدہ وجوہات کا اطلاق "دی سپرٹ لیول" کے دیگر ارتباطات پر بھی ہوتا ہے۔ مصنفین کا استدلال ہے کہ نسبتاً غیر مساوی معاشروں میں، جیسے کہ امریکہ، زیادہ لوگوں کو جیل بھیجا جاتا ہے اس تاثر کے باعث کہ عدم مساوات جرم کو ہوا دیتی ہے۔ لیکن یہ فرق، سنوڈن کے بقول، جرم کی شرح سے زیادہ سزا کے کلچر کے بارے میں لگتا ہے، کیونکہ کچھ نسبتاً مساوی ممالک میں جرائم کی شرح زیادہ ہے لیکن وہاں کم ہی لوگوں کو جیل بھیجا جاتا ہے۔ ایک بار پھر، جاپان اور سویڈن میں ری سائیکلنگ کی اعلیٰ شرحیں شاید یہ ظاہر نہ کریں کہ ایسے انتہائی مساوی معاشروں میں سماجی وابستگی زیادہ ہے، بات صرف اتنی سی ہے کہ ان جگہوں پر ری سائیکلنگ لازمی ہے۔ سماجی وابستگی کا ایک بہتر اشاریہ درحقیقت امریکہ میں فلاحی کاموں کا ہو سکتا ہے جو ساری دنیا میں بہترین ہیں۔

ناممکن پیمائش

شاید سب سے مشکل رجحان برابری اور خوشی کے درمیان مبینہ باہمی تعلق ہے، جس کی پیمائش کرنا مشکل (اور بجا طور پر ناممکن) ہے۔ مثال کے طور پر، فن لینڈ پڑوسی روس کے بارے میں مسلسل

خدشات کے باوجود دنیا کا سب سے خوش ملک قرار دیا جاتا ہے؛ لیکن یہ اس کے چھوٹے سائز اور یکسانیت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے، جو شاید اعتماد کو فروغ دیتی ہے، یا یہاں تک کہ آبادی کا دو تہائی حصہ مارٹن لوتھر کا پیروکار ہے، جن کا چرچ قناعت سکھاتا ہے۔ اور اگر خوشی کی پیمائشیں اگر ہمیں کچھ بتاتی ہیں، تو وہ یہی ہے کہ امیر ممالک کے لوگ آمدنی میں عدم مساوات سے قطع نظر عام طور پر غریب ممالک کے مقابلے میں زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ درحقیقت، محققین جوناتھن کیلی اور ماریہ ایونز (2017) کی وسیع رائے شماری نے اس خیال کو مسترد کیا ہے کہ عدم مساوات خوشی کو نقصان پہنچاتی ہے: ترقی پذیر ممالک میں، عدم مساوات کو مواقع اور اوپر کی طرف سفر (غربت سے خوشحالی کی طرف) کے اشارے کے طور پر دیکھا جاتا ہے، ترقی یافتہ ممالک میں ایسا لگتا ہے کہ ان کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

یہ تجویز کہ عدم مساوات حسد اور سماجی تناؤ کو جنم دیتی ہے یہ بھی قابل اعتراض ہے۔ وہی بات کہ ان میں سے کسی بھی تصور/خیال کی پیمائش کرنا مشکل ہے؛ سماجی کشیدگی کا اشاریہ کیا ہونا چاہیے یہ رائے کا معاملہ ہے۔۔ خانہ جنگی، بغاوت، فسادات، جارحانہ سوشل میڈیا پوسٹس اور تاریخ کے دوران جنگیں اور بغاوتیں بہت سی مختلف وجوہات کی بنا پر ہوئیں، ضروری نہیں کہ صرف اندرونی سماجی تناؤ ہی کی وجہ سے ہوئیں۔ بلاشبہ، صدیوں پہلے عدم مساوات کہیں زیادہ تھی لیکن حسد کم تھا، یا شاید زیادہ قبولیت کہ عدم مساوات ایک عام/معمول کی حالت تھی۔ اور جو لوگ سیاسی انتشار کو ہوا دیتے ہیں ان کے حسد کے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصد ہو سکتے ہیں۔

ہماری توجہ کو غلط سمت دینا

عدم مساوات کے حوالے سے طرح طرح کے سماجی پیمانوں/پیمائشوں کا موازنہ کرتے ہوئے، "دی سپرٹ لیول" ہمیں تنگ نظری پر مبنی نقطہ نظر پر مجبور کرتی ہے کہ عدم مساوات ایک اہم عنصر ہے، حالانکہ اعداد و شمار ناقابل اعتبار ہیں، پیمائشیں قابل اعتراض ہیں، اور حقیقت بہت پیچیدہ ہے۔

متنوع آبادیوں اور مختلف اقدار، ثقافتوں، مذاہب، نسلوں، تاریخوں، روایات، خوراک، تعلیمی

معیارات، فلاحی ریاستوں اور خاندانی ڈھانچے کے حامل ممالک کے وسیع گروپ سے لیا گیا ڈیٹا موجود ہے۔ ناروے، جنوبی کوریا، اسرائیل، سوئٹزرلینڈ یا برونائی سبھی دولت مند ممالک ہیں لیکن ان میں بہت کم مشترکات ہیں۔ آمدنی میں عدم مساوات ایشیاء کی کم عمری کی شرح پیدائش، امریکیوں کے موٹاپے اور انسان دوستی، جاپان میں خودکشی کی بلند شرح، یا اسکینڈی نیویا (سویڈن، ڈنمارک اور ناروے) میں اعلیٰ سطح کے اعتماد کی وضاحت نہیں کرتی ہے۔ کوئی قابل اعتماد ثبوت سرے سے ہے ہی نہیں، اور نہ ہی اہل دانش کے مابین کوئی اتفاق، کہ عدم مساوات کے بہت سے ناپسندیدہ نتائج ہیں جن کے لئے اسے (عدم مساوات کو) موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

9

کام کی جگہ پر مساوی تنخواہ

مساوی تنخواہ کے تضادات

یہ مسئلہ کہ کام کی جگہ پر مساوی لیکن منصفانہ تنخواہ کیسے قائم کی جائے مساوات کے نظریے کو عملی شکل دینے کے وسیع تر مسائل کو واضح کرتا ہے۔

مساوی تنخواہ کے تضادات

آیئے ایک انتہائی معاملے سے شروع کرتے ہیں، جہاں آجر اپنے کارکنوں کو مساوی اجرت دینے کے پابند ہیں۔ اگر ملازمین مختلف اوقات میں کام کرتے ہیں، شاید بیماری یا خاندانی وابستگیوں/مجبوری کی وجہ سے یا یہاں تک کہ بعض کی 'وقت کی خراب پاسداری یا وقت گزاری' کی وجہ سے، وہ گروپ دوسروں کے مقابلے میں فی گھنٹہ زیادہ کام کرے گا۔ یہ لامحالہ افرادی قوت/ملازمین کے درمیان تنازعات کا باعث بنتا ہے، جیساکہ سی ای اوز جنہوں نے رضاکارانہ طور پر مساوی تنخواہ کی پالیسیاں آزمائی ہیں (جیسے کہ برطانیہ کی سائیکوتھراپی کمپنی سپیل کے سائمن بینٹن) انہیں اس امر کا بخوبی احساس/پتہ ہے۔ نتیجہ کام کی جگہوں پر تناؤ/خفگی اور گرتی ہوئی کارکردگی/پیداوار ہوتا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹ ممالک میں بھی برابر تنخواہ کی شرح نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ فعال پسند/مہم چلانے والے عام طور پر 'مساوات' کے بجائے 'زیادہ مساوات'۔۔ زیادہ اور کم کمانے والوں، کم از کم اور زیادہ سے زیادہ اجرت کے درمیان زیادہ سے زیادہ تناسب وغیرہ کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں۔ تاہم اس طرح کی پالیسیوں کے تحت وہی مسائل پیدا ہوتے ہیں، چاہے زیادہ کمزور شکل میں کیوں نہ ہوں۔

غیر مالیاتی عوامل

مساوی تنخواہ کی پالیسی مختلف ملازمتوں کے درمیان بہت سے تفاوت/فرق کو تسلیم بھی نہیں کرتی ہے۔ کچھ (ملازمتیں) خوشگوار ہیں، کچھ نہیں؛ کچھ 'فائدے/مراعات' کے ساتھ آتی ہیں جبکہ بعض نہیں آتیں، کچھ ایسی ہوں گی جن کیلئے محض تربیت پر ڈھیر سارا وقت صرف کرنا ہو گا اور بہت زیادہ محنت کرنا ہو گی۔ کوئی ایسی نوکری کے لیے کیوں راضی ہو جائے جس میں کافی سرمایہ کاری کی ضرورت ہو، اور وہ بھی کسی ایسی ملازمت کی تنخواہ کے برابر (پیسوں پر) جسے ہر کوئی بہ آسانی اختیار سکتا ہے؟ مطلب تنخواہ ایک ہی ہے لیکن ایک ملازمت مشکل اور دوسری آسان ہے اور ملتی بھی آسانی سے ہے تو کوئی مشکل ملازمت کا انتخاب کیوں کرے گا۔

اگر ہم 'برابر تنخواہ' کے معنی کو تھوڑا کھینچیں/وسیع معنوں میں لیں اور ملازمتوں میں اس فرق کی تلافی/ یا ازالہ کرنے کی کوشش کریں تو ہم ان کی قیمت/قدر کا اندازہ کیسے لگائیں گے؟ یہ تو صرف متعلقہ افراد کے ذہنوں میں موجود ہوتی ہے۔ اور اگر ہم لوگوں کو مشکل کام کرنے کے لیے معاوضہ دینا چاہیں یا ازالہ کرنا چاہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ہم ہنر مند کارکنوں کو کم معاوضہ دیں، کیونکہ ہنر مندوں کو وہی کام آسان لگتا ہے؟

غیر مساوی خاندان

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ملازمین کے خاندان (تعداد کے حوالے سے) مختلف ہو سکتے ہیں۔ مساوی تنخواہ کے ساتھ، ایک فرد پر مشتمل گھرانہ ایک ایسے خاندان سے بہتر ہو گا جس میں دو افراد ہوں گے لیکن صرف ایک کمانے والا، اور چار یا پانچ افراد کے خاندان سے تو اور بھی بہتر ہو گا۔ لہٰذا لوگوں کو یکساں طور پر ادائیگی کرنے کا پھر بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر کوئی یکساں طور پر خوشحال ہو جاتا ہے۔

عمل/کردار میں فرق

کارکنوں کو شاید مساوی آمدنی دی بھی جائے لیکن ہو سکتا ہے کہ بعض دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بچت اور سرمایہ کاری کرنا یا اپنے خاندانوں کو رقم دینا پسند کریں۔۔اس میں کوئی ناانصافی نہیں ہے۔۔اس سے کسی اور کو تکلیف نہیں پہنچتی ہے۔۔اور در حقیقت ہم اس طرح کی سمجھداری اور ذمہ داری کو عام طور پر قابل تعریف بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو مساوی طور پر ادائیگی کرنے کے باوجود کچھ خاندان اور افراد دوسروں کے مقابلے میں بہت بہتر/خوشحال ہوتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی تب بھی ہوتا ہے جب لوگوں کی آمدنی برابر ہوتی ہے لیکن ان کی کھپت (خرچ) مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہو سکتا ہے کہ کسی کو مہنگے علاج یا اپنے گھر کی مرمت کی ضرورت ہو۔ دوسرے شاید ڈیزائنر کپڑوں یا خاندان میں ہونے والی کسی شادی پر خرچ کرنا پسند کریں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ صرف گلچھڑے اڑائیں (فضول خرچی) اور ان کی حالت انتہائی پتلی ہو جائے۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو، نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اپنی برابر تنخواہ کے باوجود ان میں سے ہر ایک کے پاس رقم ایک جیسی نہیں بچتی ہے (کسی کے پاس کم کسی کے پاس زیادہ)۔

کیا صنفی تنخواہ میں فرق ہے؟

یہ بات بسا اوقات/حسب معمول کہی جاتی ہے کہ مردوں اور عورتوں کی تنخواہ میں فرق ہے، دونوں کو ایک جیسے کام کے لیے ایک جیسا معاوضہ نہیں دیا جاتا ہے، جسے امتیازی سلوک اور ناانصافی کی علامت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ناقدین مردوں اور عورتوں کے درمیان اجرت کی اوسط شرح میں فرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ کچھ ترقی یافتہ ممالک میں 40 فیصد تک بلند ہے۔ اور بہت سے ممالک میں سب سے زیادہ کمانے والوں میں چند ایک ہی خواتین ہیں۔ اس کے جواب میں کئی ممالک کے سیاست دان مطالبہ کرتے ہیں کہ بڑی فرمیں/کمپنیاں مردوں اور عورتوں کے لیے اپنی تنخواہوں کی شرحیں

شائع کریں اور انہیں برابر کرنے کیلئے اقدامات کا آغاز کریں۔

مٹتا ہوا فرق

تاہم، اس بات کے اچھے ثبوت/شواہد موجود ہیں کہ (کم از کم ترقی یافتہ ممالک میں) فی الحال کوئی خاص صنفی فرق نہیں ہے، اور یہ کہ اس پر مبنی پالیسیاں غلط ہیں۔ پرانے کارکنوں کے درمیان یقینی طور پر صنفی فرق موجود ہے، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کچھ دہائیاں قبل کام شروع کیا تھا، جو امتیازی سلوک اور بڑے صنفی تنخواہوں میں فرق کا دور تھا؛ اور جب ملازمین کو سالانہ اضافہ ملتا تو تنخواہوں میں یہ فرق برقرار رہتا تھا۔ لیکن اب قوی امکان ہے کہ آج ورک فورس/ملازمت میں داخل ہونے والوں کو مساوی طور پر تنخواہ ملے گی۔ تیس سال سے کم عمر افراد کے لیے یہ فرق بڑی حد تک ختم ہو گیا ہے (اور کچھ ممالک میں، جیسے کہ امریکہ، 2013 میں پیو ریسرچ سنٹر کے ایک سروے کے مطابق یہ تقریباً مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے)۔

فرق کی بنیاد/ابتداء

تنخواہوں کا فرق اب بھی ہے، لیکن اس میں سے زیادہ تر صنفی فرق کے بجائے دیکھ بھال کا فرق ہے، کیونکہ خواتین اکثر بچوں کی پرورش اور رشتہ داروں کی دیکھ بھال میں پیش پیش ہوتی ہیں۔ (برطانیہ میں، مثال کے طور پر، IZA انسٹی ٹیوٹ آف لیبر اکنامکس کے مطابق، نگہداشت کرنے والوں میں تقریباً دو تہائی خواتین ہیں، جبکہ OECD اور دیگر کے تخمینوں سے مختلف ممالک میں اسی طرح کی برتری کا پتہ چلتا ہے۔) اس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ خواتین لچکدار یا جزوقتی کام کی تلاش میں ہوں۔ لیکن جزوقتی اور لچکدار کارکن آجروں کے لیے کم اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان پر لاگت زیادہ آتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ دستیاب بھی نہ ہوں۔ نتیجتاً، دیکھ بھال کی ذمہ داریاں نبھانے والی بہت سی خواتین کم تنخواہ یا نچلے درجے کی ملازمتوں پر راضی ہوتی ہیں جن میں لچکدار گھنٹے آجروں کیلئے کم

مسائل کا باعث بنتے ہیں۔
عورتیں بھی مردوں کے برابر تنخواہ اور ترقی/اضافے کی اسی رفتار کے ساتھ کام شروع کر سکتی ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی بیس اور تیس سال کی عمر میں بچوں کی پرورش کے لیے کام سے برسوں کی چھٹی لیتی ہیں یا کم گھنٹے کام کرتی ہیں تو وہ عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کی دوڑ میں پیچھے۔۔ نمایاں طور پر پیچھے۔۔ رہ جائیں گی۔ جب وہ دوبارہ کام شروع کرتی ہیں، تو عام طور پر ان کی تنخواہ دوبارہ بڑھنے لگتی ہے لیکن (چونکہ تنخواہ تجربے اور سروس/نوکری کے سالوں کی عکاسی کرتی ہے) وہ اس وقت مطلق کم سطح سے دوبارہ شروع کرتی ہیں بمقابلہ اس سطح کے جو تب تک کل وقتی ملازمین حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔

دیگر وضاحتیں

اور دیگر وجوہات بھی ہیں۔ ٹیکس کی اونچی شرحیں اور فراخدلانہ سماجی فوائد دیکھ بھال کی ذمہ داریاں نبھانے والی خواتین کو زیادہ دیر تک کام سے دور رہنے پر آمادہ کر سکتے ہیں اور یوں وہ مزید پیچھے رہ سکتی ہیں۔ مزاج میں صنفی فرق ہو سکتا ہے: امریکہ میں، پیو سینٹر کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین ان ملازمتوں کو ترجیح دیتی ہیں جن سے وہ لطف اندوز ہوتی ہیں، جو تحفظ فراہم کرتی ہیں، اور جہاں سے وہ دیکھ بھال کی ذمہ داریوں کے لیے وقت نکال سکتی ہیں، جب کہ مرد ترقی کے زینے چڑھنے کے لیے زیادہ تیار/آمادہ ہوتے ہیں۔
خواتین تنخواہوں کی سودے بازی میں بھی کم جارحانہ ہو سکتی ہیں (اس حقیقت سے تصدیق ہوتی ہے کہ جہاں اجتماعی سودے بازی ہوتی ہے وہاں اجرت میں فرق کم ہوتا ہے)۔ ایسی ثقافتوں/معاشروں میں جہاں عورتیں روایتی طور پر ایسے پارٹنر/شریک حیات کا انتخاب کرتی ہیں جو بڑی عمر کے ہوتے ہیں، اور اس وجہ سے پہلے سے ہی تنخواہ میں اضافہ کے حوالے سے آگے ہوتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ تنخواہوں میں کم اضافے کو قبول کرنے کے لیے زیادہ تیار ہوں۔ اس کے علاوہ، خواتین کی کام کی ترجیحات بھی مختلف ہو سکتی ہیں، جو اکثر چھوٹی کمپنیوں یا غیر منافع بخش اداروں میں ملازمتیں اختیار کرتی ہیں، اور ایسی

ملازمتیں جو زیادہ خوشگوار اور کم خطرے والی ہوتی ہیں، یہ سب اپنی نوعیت کے لحاظ سے کم معاوضہ والی ہوتی ہیں۔

شماریاتی غلطیاں/خامیاں۔ خام اعداد و شمار بھی گمراہ کن ہو سکتے ہیں۔ اوسط اجرت کا موازنہ کرنا غلط ہے، مثال کے طور پر، جیسا کہ آمدنی کی تقسیم بہت متزلزل/گمراہ کن ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک کم حد تو معلوم ہے کہ جس کے لیے لوگ کام کریں گے یا کر سکتے ہیں (جیسے قانونی کم از کم اجرت)، (تاہم) تنخواہ کی کوئی اوپری حد نہیں ہے۔ اور بہت سی خواتین، جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، لچکدار یا پارٹ ٹائم/جز وقتی (لیکن کم تنخواہ والی) ملازمتوں کا انتخاب کرتی ہیں۔ اس لیے ایک یادوارب پتی مرد صنفی اوسط میں کافی حد تک اضافے کا باعث بن سکتے ہیں۔ زیادہ تر عام لوگوں کی صورت حال کو سمجھنے کے لیے، ہمیں اوسط اجرت کو دیکھنا چاہیے، جہاں اوپر اور نیچے لوگوں کی تعداد برابر ہوتی ہے۔ وہاں، ہمیں صنفی فرق بہت ہی کم ملتا ہے۔

فطری اختلافات

اس سب کو دیکھتے ہوئے، ایسا لگتا ہے کہ بڑی حد تک۔۔ بعض تحقیق/سٹڈیز کے مطابق شاید تقریباً مکمل طور پر، کچھ مطالعات کے مطابق۔۔ قیاس شدہ صنفی تنخواہ کا فرق امتیازی سلوک یا ناانصافی کی وجہ سے نہیں بلکہ خواتین اور مردوں کے طرز زندگی کے فطری انتخاب کی وجہ سے ہے۔ حکومتیں ان اختلافات/فرق کو بچوں کی مفت دیکھ بھال، یا بچوں کی دیکھ بھال کے لیے وقت نکالنے والی خواتین کے لیے دوبارہ تربیتی پروگرام جیسی پالیسیوں، یا دیگر اقدامات کے ساتھ اس میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کر سکتی ہیں۔ لیکن جب تک کام کرنے اور دیکھ بھال کرنے کے صنفی رویوں میں سماجی انقلاب نہیں آتا، قوی امکان یہی ہے کہ یہ فرق برقرار رہے گا۔

کیا سی ای اوز اپنے پیسوں/تنخواہ کے قابل بھی ہیں؟

جنوری کا آغاز ان سالانہ شکایات کے ساتھ ہوتا ہے کہ ایف ٹی ایس ای یا ڈاؤ جونز کمپنیوں کے سی ای اوز نے اب اتنا کما لیا ہے کہ جو ان کے اوسط کارکنوں کی ایک سال کی کمائی سے زیادہ ہے۔ یہ انتہائی غیر منصفانہ قرار دیا جاتا ہے۔۔۔ سی ای اوز طویل گھنٹے کام کرتے ہوں گے، لیکن دوسرے کارکنوں کے مقابلے میں اتنا طویل بھی نہیں۔۔اور ساتھ یہ تجاویز کہ 'زیادہ سے زیادہ اجرت' (جو ٹاپ/اوپری سرے پر دکھائی دے اور کم سے کم اجرت دوسرے سرے پر) نافذ کر کے یا کمپنی کے سب سے کم تنخواہ والے ملازمین کے ساتھ ایگزیکٹوز کی تنخواہ کے تناسب کی حد مقرر کر کے اس ناانصافی کو روکا جائے۔

غیر مساوی رویے

اس کے برعکس، بہت کم لوگ اسے غیر منصفانہ سمجھیں گے کہ معروف فنکار، اداکار، ریسنگ ڈرائیور یا فٹ بال کھلاڑی بہت بڑی تنخواہیں حاصل کرتے ہیں۔ وہ بہت سے لوگوں، بعض اوقات لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں بڑا فرق لاتے ہیں/انہیں متاثر کرتے ہیں، جو پھر اس خوشی/حظ کے لیے انہیں رضاکارانہ طور پر ادائیگی کرتے ہیں۔ لیکن سی ای اوز بھی تو اپنے بہت سے شیئر ہولڈرز کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیتے ہیں، جو انہیں ان کی کمائی گئی دولت کے لیے رضاکارانہ طور پر ادائیگی کرتے ہیں۔ایک اچھا سی ای او کمپنی کی قدر کو بہت زیادہ بڑھا سکتا ہے؛ ایک برا اسے (اور اس کے سرمایہ کاروں) کو دیوالیہ کر سکتا ہے۔اس کے باوجود یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ کمپنی کے شیئر ہولڈرز کو اتنی رقم ادا کرنے سے منع کیا جانا چاہیے جو وہ سمجھتے ہیں کہ ایک کامیاب سی ای او ان کے اور ان کی کمپنی میں کام کرنے والے ہر فرد کے خیال میں اس کے قابل ہے۔

قدر میں اضافہ کرنا

سی ای او کی تنخواہ یقیناً زیادہ ہے اور بڑھ بھی گئی ہے۔ لیکن پھر عالمگیریت کے ساتھ سر کردہ سٹاک

مارکیٹوں میں سرفہرست کمپنیاں بھی سائز، پیچیدگی (باہم مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر سٹیک ہولڈرز، معلوماتی نظام اور تنظیمی ساخت) اور بین الاقوامی سطح پر بڑھی ہیں۔ اس طرح کے بڑے اور پیچیدہ بین الاقوامی اداروں کو سنبھالنے کی مہارت رکھنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں، جس طرح کہ کھیلوں کی دنیا میں چند بہترین شخصیات ہوتی ہیں۔ اسی طرح سی ای او ٹیلنٹ کے لیے بھی مسابقت بڑھ رہی ہے، اور (یہی وجہ ہے کہ) یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سی ای او اور اسپورٹس اسٹارز دونوں کی تنخواہ زیادہ ہے۔

فیصلہ کون کرتا ہے؟

ناقدین یہ بحث کر سکتے ہیں کہ ایگزیکٹو کی تنخواہ بہت زیادہ ہے، لیکن فیصلہ کرنے کا حق کس کے پاس ہے؟ اس بات کا فیصلہ کرنے کا واحد معروضی طریقہ ایونٹ کے بعد ہے۔۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ان کی آمد یا روانگی کمپنی کے حصص کی قیمت کو کیسے متاثر کرتی ہے۔۔ اور یہ، جیسا کہ پالیسی تجزیہ کار سیم بومن نے 2016 میں اشارہ کیا تھا، واقعی کافی حد تک ہو سکتا ہے یعنی حصص کی قیمت کافی حد تک بڑھ یا گر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، ایپل نے اپنی مالیت کا 5 فیصد (تقریباً 17.5 بلین ڈالر) کھو دیا جب بانی اور سی ای او سٹیو جابز وفات پا گئے۔ سٹیو بالمر کے 2013 کے استعفیٰ کے بعد مائیکروسافٹ کی قدر میں 8 فیصد (20 بلین ڈالر) کا اضافہ ہوا۔ اسی سال، انجیلا اہرینڈٹ کی بربیری سے علیحدگی نے فرم کی قدر میں 500 ملین پاؤنڈ سے زیادہ کی کمی کر دی۔ یہ بڑے اعداد/نمبرز ہیں، سبھی انفرادی لوگوں کی وجہ سے یعنی ان کی رفت یا آمد کا نتیجہ ہیں۔

سی ای او کے کام کی قیمت لگانا مشکل ہے

یہ پیس ورک/ٹاسک کی طرح نہیں ہے، جہاں تنخواہ تیار کردہ چھوٹی چیزوں/آلات کی تعداد کو ظاہر کرتی ہے؛ اس کے لیے وژن اور موجودگی اور قدرتی ذہانت یا صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیئر

ہولڈرز سی ای او کو برطرف کر سکتے ہیں یا ان کی تنخواہ میں کٹوتی کر سکتے ہیں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ رقم پر کم منافع حاصل کر رہے ہیں۔ اور کبھی کبھی وہ ایسا کرتے بھی ہیں۔ لیکن زیادہ تر وہ بخوشی اپنے سی ای اوز کے پے (تنخواہ) پیکیجز کی توثیق کرتے ہیں۔ کون کہے کہ وہ غلط ہیں؟ لیکن قانون سازی کی طاقت کے حمایت یافتہ عدم مساوات کے ناقدین، ان کی تشخیص/قدر سے اختلاف کریں گے۔

10

مساوات کی پالیسی کی جڑیں

اخلاقیات سے سیاست تک

مزید مسائل اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اخلاقی نظریات، جن کی تائید قابل اعتراض اعداد و شمار سے ہوتی ہے، سیاسی پروگراموں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اخلاقی نظریات اس بارے میں ہوتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کیسے دیکھنا پسند کریں گے (مطلب لوگوں کو کس طرح ہونا چاہئے)؛ سیاسی پالیسیاں انہیں کچھ بننے پر مجبور کرتی ہیں۔ یہ بہت بڑا فرق ہے۔

غلط مفروضے

انصاف سے متعلق ہمارے فطری، ثقافتی اور مذہبی جذبات بہت سے لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ مساوات ہی واحد اخلاقی صورت حال ہے؛ اور اکثر وہ اس مفروضے کو تقویت دینے کے لیے قابل اعتراض اعداد و شمار اور "لوڈڈ" اصطلاحات پر انحصار کرتے ہیں۔ اور چونکہ پرائیویٹ چیریٹی (مساوات کی بجائے غربت پر مرکوز) سب کو برابر کرنے کا کام نہیں ہے، اس لیے مزید قیاس یہ ہے کہ حکومت کو یہ کام زبردستی کرنا چاہیے۔

اس کے پیچھے کارفرما ایک قیاس یہ ہے کہ افراد اپنی معاشی حیثیت کے ذمہ دار نہیں ہیں؛ کہ عدم مساوات معاشرے نے پیدا کی ہے؛ اور یہ کہ غریب حالات کا شکار ہوتے ہیں جبکہ امیر جوڑ توڑ کرنے والے غیر مستحق (افراد) ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بیانیہ ان عوامل کی اہمیت کو نظرانداز کرتا ہے جیسے کہ محنت، عزائم، مہارت کے حصول، قوت ارادی اور اس بات کا تعین کرنے میں لچک کہ لوگ آمدنی اور دولت کے لحاظ سے کہاں پہنچتے ہیں۔

'ری ڈسٹری بیوشن' کا جواز پیش کرنا

کچھ ماہرین تعلیم کے نزدیک مساوات کا بیانیہ اخلاقی سوچ سے سیاسی عمل کی طرف جانے کا جواز (یا ممکنہ طور پر پوشیدہ) فراہم کرتا ہے۔ حکومتوں کو یہ لوگوں کے حسد کو ختم کرنے کا ایک طریقہ بتاتا اور سیاسی مداخلت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

لہٰذا ایسے کسی بھی فرق کو برابر کرنے کے لیے سیاسی پروگرام کا مطالبہ جو اجتماعی بھلائی کو فعال طور پر فروغ نہیں دیتے ہیں یہ انسانوں کے ساتھ غیر ذاتی نوعیت کے لحاظ سے برتاؤ کرتا ہے بہ الفاظ دیگر ان کو ان کی شخصیت کے ضیاع کا احساس دلاتا ہے، گویا وہ صرف کسی سماجی مقصد کی خدمت کے لیے موجود ہیں جسے حکام نے منتخب کیا ہے۔اور یہ اخلاقی نظریات (اس بارے میں کہ ہم اپنی زندگی کیسے گزارتے ہیں) کو سیاسی نظریات (اس بارے میں کہ ہمیں دوسروں کی خدمت کیسے کرنی چاہیے) کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔ لیکن سیاست کو اخلاقیات سے استفادہ کرنا چاہیے، نہ کہ اخلاقیات کو سیاست سے۔

مساوی نتائج کا خارج از امکان ہونا

غیر مادی فرق۔ معاشی مساوات کے اخلاقی نظریے کو سیاسی پالیسی میں بدلنے کی جلدی میں، ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ انسانوں کے پاس صرف چیزیں نہیں ہوتیں: (بلکہ) وہ چیزوں کو تخلیق اور بشمول ان کے بہت سے غیر مالی عزائم کے، ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور وہ بے شمار طریقوں سے مختلف ہوتے ہیں، زیادہ تر بے ضرر۔۔۔ یا فائدہ مند بھی: شاید، حیاتیاتی تنوع کے فوائد کی طرح، ہمارا معاشرہ ہمارے تنوع کی وجہ سے بھی زیادہ محفوظ بنا ہوا ہے۔

بہت سے دوسرے فرق جیسے قابلیت یا پرورش میں، ان کو ہم تبدیل نہیں کر سکتے۔ نہ ہی ان کا ازالہ کر سکتے ہیں: ہم ایک حوصلہ افزا بچپن کی مالی قدر، یا انتہائی شرم کی قدر و قیمت کا فیصلہ کیسے کریں گے؟ ہم خوشی اور غم کی پیمائش کیسے کریں گے، اور لوگوں کو دونوں کا مساوی پیمانہ کیسے دیں گے؟ لیکن انسانی اطمینان پھر ہماری ظاہری دولت سے نہیں بلکہ ہمارے اپنے اندرونی اہداف کو پورا کرنے سے ہی

حاصل ہوتا ہے۔

ہم ان چیزوں کو برابر نہیں کر سکتے کیونکہ ہم ان کی قیمتیں نہیں لگا سکتے؛ لہذا لوگ اس کی بجائے اس پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ ہم کس چیز کی پیمائش اور اس میں جوڑ توڑ کر سکتے ہیں۔۔

آمدنی اور دولت

یہ بہترین طور پر ایک بہت ہی جزوی، بدترین طور پر ایک انتہائی مسخ کرنے والا نقطہ نظر لگتا ہے۔ اور خواہ یہ ناکافی بھی ہو: ہم دولت اور آمدنی کو برابر کرنے کی امید کر سکتے ہیں، لیکن یہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ لوگوں کو مساوی فائدہ ملے گا۔

راک اسٹار مسئلہ

پھر راک اسٹار کا مسئلہ ہے۔ اگر ہر کوئی مکمل برابری کی پوزیشن سے شروع بھی ہوتا ہے، تو بھی پرستار خوشی سے اپنے پسندیدہ راک اسٹار کو کنسرٹ میں دیکھنے کے لیے رقم ادا کریں گے۔ وہ ہر شام کو تھوڑے غریب تر ہو جاتے ہیں جبکہ راک اسٹار بہت زیادہ امیر تر ہو جاتا ہے۔ اس مساوات کو برقرار رکھنے کے لیے جس کے ساتھ ہم نے شروعات کی تھیں مسلسل دوبارہ جائزے اور آمدنی کی دوبارہ تقسیم کی ضرورت ہو گی۔ لیکن چونکہ یہ لین دین مکمل طور پر رضاکارانہ تھا، اس لیے کسی کو کوئی نقصان یا اس کے ساتھ ناانصافی نہیں کی گئی۔ تو ہم کس بنیاد پر اس رضاکارانہ تبادلے کو، ماسوائے کسی اتھارٹی کے سماجی نقطہ نظر کے، تبدیل کر سکتے ہیں؟

مزید یہ کہ ہم میں سے جو غریب گٹار بجانے والے ہیں وہ شاید ہی کسی راک اسٹار کے برابر ہوں، یا تو ہماری قابلیت یا ہماری کمائی کی صلاحیت میں۔ ہم شاید ایک یا دو بہترین گٹار پلیئرز کی انگلیاں کاٹ کر بھی چیزوں کو برابر کر سکتے ہیں۔ اپنے آپ کو کچھ حیرت انگیز میوزیکل پرفارمنس سے محروم کرنے کے علاوہ، یہ ان کے خلاف تشدد کا عمل ہو گا۔ لیکن پھر تمام جبری مساوات کے لئے، چاہے گٹارسٹ یا

کمانے والوں کے درمیان ہو، کچھ لوگوں کے خلاف تشدد کے خطرے کی ضرورت ہوتی ہے۔
اس میں ایک تضاد بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس میں مطلوبہ مساوات پیدا کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک کرنا پڑتا ہے۔(یہ) بیانیہ یہ فرض کرتا ہے کہ مساوات کے نام پر اس طرح کا جبری، غیر مساوی سلوک انصاف، شہری حقوق، آزادی، خاندان، خوشحالی اور غربت کے خاتمے جیسے زندگی کے دیگر حصوں سے متصادم نہیں ہے۔ لیکن یہ ہے۔

بدقسمتی کا ازالہ

مساوی نتائج کے حصول کے ناممکنات کے پیشِ نظر، ایک عام تجویز یہ ہے کہ ہمیں کم از کم لوگوں کی بد قسمتی کی تلافی کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب 'بری' قسمت کا ازالہ ہو سکتا ہے، جیسے کہ ایک بے پرواہ خاندان میں پیدا ہونا، اندھا ہونا، لٹنا (کوئی لوٹ لے)، یا اس طرح کی دوسری بدقسمتی جو متاثرہ فرد کے کنٹرول سے باہر ہوتی ہیں۔
لیکن، اس عمومی مسئلے کے علاوہ کہ اس بدنصیبی کے بوجھ کو کیسے ناپا جائے اور یہ طے کیا جائے کہ کون سا ازالہ مناسب ہے، ایسی پالیسی کو یہ حقیقت پیچیدہ بناتی ہے کہ قسمت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جو تمام انسانی زندگی کو مختلف طریقوں سے، مختلف حد تک اور مختلف مرکبات میں متاثر کرتی ہیں۔ یہ واضح نہیں ہے کہ اسے کیسے سلجھایا جائے اور یہ فیصلہ کیا جائے کہ ہمیں کس کی تلافی کس حد تک کرنی چاہئے اور کس کی نہیں کرنا چاہیے۔
بری قسمت اور اختیاری (آپشن) قسمت۔ 'بری قسمت'۔۔۔ فرد کے قابو سے باہر کی چیزیں۔۔۔ کے ساتھ ساتھ 'اختیاری قسمت' بھی ہے۔۔۔ کیسے لوگوں کی دانستہ، سوچی سمجھی بازیاں/جوئے ثابت ہوتے ہیں۔ مثالوں میں ایسا لاٹری ٹکٹ خریدنا جو نکل آئے یا دیوالیہ ہونے والے کاروبار میں سرمایہ کاری کرنا شامل ہو سکتے ہیں۔ بری قسمت کی تلافی کی خوبیوں پر کچھ اتفاق رائے ہے (حالانکہ لبرل یہ کہیں گے کہ جہاں ممکن ہو، لوگوں کو اس کا بیمہ کرنا چاہئے بجائے اس کے کہ ٹیکس دہندگان سے اس

مشکل میں مدد کی توقع کی جائے)۔ لیکن اختیاری قسمت کے بارے میں کیا کرنا ہے اس پر کوئی اتفاق/ سمجھوتہ نہیں ہے۔

ایک دلیل یہ ہے کہ ہمیں اختیاری قسمت کی تلافی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ایسا کرنے سے ذاتی ذمہ داری ختم ہو جائے گی اور لوگوں کو مضحکہ خیز خطرات مول لینے پر آمادہ کیا جائے گا۔ وہ جان لیں گے کہ وہ انتہائی غیر یقینی کاروباری منصوبے شروع کر سکتے ہیں یا تاش کے کھیل میں اپنے گھر کی بازی لگا سکتے ہیں، یا منشیات کا غلط استعمال کر کے اپنی صحت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ بالآخر ان کے نقصان یا چوٹ کی مکمل تلافی ہو جائے گی۔ لیکن یہ پالیسی سخت اور متضاد نتائج پیدا کرتی ہے۔ ہم جوا کھیلنے والے لوگوں کو معاوضہ دینے سے چشم پوشی اختیار کر سکتے ہیں، لیکن انسانیت ہم سے ایک موٹر سائیکل سوار کی مدد کرنے کا تقاضا کرے گی جس کو ہیلمٹ نہ پہننے کی وجہ سے سر پر چوٹ لگی ہے۔ جہاں ہم لکیر کھینچتے ہیں وہ اک موضوعی/داخلی انتخاب ہے۔ اور ایک بار پھر لبرل یہ کہہ سکتے ہیں کہ بری قسمت کے متاثرین کے لیے رضاکارانہ امداد تو ٹھیک ہے، لیکن دوسروں کو زیادہ ٹیکس دے کر مدد کرنے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے۔

زندگی کے بیشتر نتائج مختلف قسم کی قسمت، حالات، فیصلے، کوشش، درخواست اور بہت کچھ کا مرکب ہوتے ہیں۔ چیزوں کو بری قسمت اور اختیاری قسمت تک اگر محدود کر بھی لیا جائے تو بھی یہ شاذ و نادر ہی واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی نتیجے کے لیے دونوں میں سے کون کتنا ذمہ دار ہے۔ مثال کے طور پر بہت سے لوگ سگریٹ پیتے ہیں، لیکن صرف کچھ ہی پھیپھڑوں کے کینسر کا شکار ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ خوشحال، دیکھ بھال کرنے والے اور حوصلہ افزائی کرنے والے گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں جو تعلیم اور کاروبار کیلئے ایک لانچنگ پیڈ فراہم کرتے ہیں، لیکن صرف چند ہی لوگ ارب پتی بنتے ہیں۔ ہم یہ کیسے طے کر سکتے ہیں کہ کسی کی کتنی کامیابی ایک بہترین پرورش کی وجہ سے ہوئی، اور کتنی ان کی محنت، تندہی اور ان کے اختیار میں موجود دیگر چیزوں کی وجہ سے؟ درحقیقت، کیا ان کی محنت مکمل طور پر ان کے اپنے اختیار میں ہے، یا بنیادی طور پر ان کی پرورش کا نتیجہ ہے؟ اور کیا ان کے انتخاب بری قسمت کے

صحیح وقت پر صحیح جگہ پر ہونے کی وجہ سے کامیاب ہوئے؟ ایک بار پھر، ایک مساوات کی پالیسی جو شروع میں سیدھی نظر آتی ہے وہ ویسی (سیدھی) ثابت نہیں ہوتی ہے۔

11

مساوات بارے سیاسی نقطہ نظر

مساوات سے مساوات تک

اگر مکمل برابری ناممکن ہے، اور لوگوں کی بدنصیبی کی تلافی مشکل ہے، تو ہمیں کتنی برابری کا ہدف رکھنا چاہیے؟ آپشن تو بہت سارے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی مسئلے کو حل نہیں کرتا ہے کیونکہ ہر ایک صرف ایک یکساں نتیجہ نہیں (بلکہ) مختلف درجہ وار نتائج (طویل و قلیل المدتی دونوں) کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

نظریاتی حکمت عملیاں

مثال کے طور پر ایک کلاسیکی لبرل مساوی سیاسی اور قانونی حقوق کے حق میں دلیل دے گا اور بصورت دیگر لوگوں کو یکساں طور پر تنہا چھوڑنے کے حق میں ہو گا۔ لیکن یہ پھر بھی موضوعی/داخلی طور پر ان حقوق کی مساوات کو دوسری چیزوں جیسے آمدنی، دولت یا سماجی حیثیت کو برابر کرنے سے اوپر رکھتا ہے۔ دوسرا لبرل آپشن یہ ہے کہ لوگوں کو یکساں توجہ اور احترام دیا جائے۔ لیکن اس کا کیا مطلب ہے، اور ہم ان لوگوں کا کیا کریں گے جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ عزت اور مقام کا مطالبہ کرتے ہیں؟ ایک تیسرا امکان یہ قبول کرنا ہے کہ لوگوں کے درمیان بہت سے فرق ہیں لیکن ایک جیسے معاملات میں یکساں برتاؤ کرنا- مثال کے طور پر نیکی کا ثواب/اجر اور جرم پر سزا دینا۔ لیکن پھر بھی لاتعداد دیگر ایسی عدم مساوات ہوں گی جو ناقابل تلافی ہوں گی۔

نوبل ماہر معاشیات امرتیہ سین کی تجویز کردہ چوتھی حکمت عملی صلاحیتوں کو برابر کرنے کی کوشش کرنا ہے، جیسے کہ ہر ایک کو بنیادی وسائل (جیسے خوراک، رہائش اور تعلیم) تک رسائی حاصل ہو جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم اس کے بھی نتائج بہت غیر مساوی نکل سکتے ہیں۔ نیز، 'صلاحیتوں' کی

پیمائش کرنا یا یہ جاننے کا کوئی واضح طریقہ نہیں ہے کہ آیا ہم نے ان کو برابر کر دیا ہے۔ اور 'بنیادی' وسائل کے طور پر کون سی چیز شمار ہوتی ہے اس کا تعلق رائے سے ہے، یا یہ رائے کا معاملہ ہے۔ اگرچہ سین کا نقطہ نظر دوسرے انسانوں کے ساتھ اپنے کم سے کم سلوک پر توجہ مرکوز کرنے میں ہمارا مددگار ثابت ہوتا ہے، لیکن اس کی بنیاد پر بنائی گئی مخصوص پالیسیاں متنازعہ ہی ثابت ہوں گی۔

لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا

متنوع ضروریات

ایک اور حکمت عملی یہ ہے کہ لوگوں کو ضرورت کے مطابق برابر کرنے کی کوشش کی جائے۔۔ کارل مارکس کے مشہور قول کے مطابق، 'ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق، ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق۔' لیکن جب تک 'ضرورت' کا مطلب صرف زندگی کے لیے کم از کم ضرورت نہیں ہے، تب تک 'ضرورت' کے طور پر کس چیز کو شمار کیا جائے یہ بھی ایک موضوعی/داخلی (بحث) ہے۔ مثال کے طور پر ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ لوگوں کو ایک بڑے گھر یا بہتر کپڑوں کی ضرورت ہے؟ شاید کچھ لوگ بدلہ لینے، یا منشیات، یا سماجی حیثیت کی شدید 'ضرورت' محسوس کریں۔ تو کیا ہمیں ان قابل اعتراض 'ضروریات' کو بھی پورا کرنا چاہیے؟

مساوی مادی سامان فراہم کرنا

ضروریات کا نقطہ نظر ہمیں اس خیال کی طرف راغب کرتا ہے کہ آمدنی کو برابر کرنے کی غیر موثر کوشش کرنے کے بجائے، ہمیں لوگوں کو ایک ہی طرح کا مادی سامان فراہم کرنا چاہیے۔۔۔ مساوی اسکول، صحت کی دیکھ بھال، رہائش، خوراک، ٹرانسپورٹ وغیرہ۔ لیکن اس طرح کی 'عالمگیر بنیادی خدمات' بھی ان فوائد کو برابر نہیں کر سکتیں جو کہ لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ مفت تعلیم ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی جن کے بچے نہیں تاکہ اس سے مستفید ہو سکیں؛ بیمار لوگوں کو دیکھ بھال کی

زیادہ ضرورت ہے؛ ایک جیسی رہائش بڑے خاندانوں کے لیے موزوں نہیں ہو گی؛ دستی کارکنوں کو دفتری کارکنوں سے زیادہ کیلوری والے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے؛ اور جو لوگ گھر سے کام کرتے ہیں انہیں رفت آمد کرنے والے ملازمین کی نسبت کم ٹرانسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حامیوں کا کہنا ہے کہ عالمگیر بنیادی خدمات فراہم کرنا مناسب ہے کیونکہ لوگ انہیں اپنی ضروریات کے مطابق لیتے ہیں۔ لیکن انفرادی فرق/امتیاز کو نظرانداز کرنے سے ناانصافی کی مسلسل شکایات ہی پیدا ہوتی رہیں گی۔

ان طریقوں/نقطہ ہائے نظر کے خطرات

'ضروریات' اور 'عالمگیر بنیادی خدمات' کی حکمت عملیوں سے مراد پیداوار اور تقسیم پر وسیع ریاستی کنڑول ہوتا ہے۔ اس کے لیے پہلے سے موجود ایک ریاستی ڈھانچے/مشینری، اور اسے چلانے کیلئے پہلے سے عائد ٹیکس سے کہیں زیادہ ٹیکس لگانے کی ضرورت ہو گی۔ سیاست دانوں اور منتظمین کے ہاتھ میں زیادہ طاقت، صوابدید اور سیادت آ جائے گی (جو کہ شاید ہی 'مساوات' ہو)۔ مزید برآں بہت ساری بنیادی اشیا پر ریاستی اجارہ داری ندرت، ترقی اور اقتصادی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہو گی۔ ہم یقیناً اس سامان کو نجی طور پر تیار کرتے ہوئے اس تک لوگوں کو راشن کارڈ کے ذریعے مساوی رسائی فراہم کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ کون سے راشن تک کون رسائی حاصل کر سکتا ہے دوسروں پر اختیار/اثر کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

معاشرے کی خدمت

ان دونوں طریقوں کا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ کام چور تک، جو جان بوجھ کر کام اور محنت سے جی چراتے ہیں وہ بھی، اسی سامان کے حقدار ہوں گے۔ لہذا ایک اور تجویز ہے کہ: لوگوں کو صرف معاشرے کیلئے ان کی خدمت کے تناسب سے ہی نوازا جانا چاہئے۔ مارکیٹ اکانومی بجا طور پر پہلے سے ہی ایسا کرتی

ہے: عام طور پر، لوگوں کو اس قدر کے مطابق ادائیگی ملتی ہے جو وہ دوسروں کو فراہم کرتے ہیں۔ لیکن ایک وسیع تفاوت یا فرق؛ فرض کریں آئی ٹی کاروباریوں، جن کی مصنوعات لاکھوں افراد کی زندگیوں کو بہتر یا ان کا معیار زندگی بڑھاتی ہیں، اور ایک چھوٹے سے کیفے میں جزوقتی صفائی کرنے والے کے درمیان پھر بھی رہتا ہے۔اور بازار کی قیمتوں کے بغیر ہمارے پاس لوگوں کی 'معاشرے کیلئے خدمات' جانچنے یا ان کی پیمائش کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ فرض کریں ایک نرس، ایک جج، گہرے سمندروں میں جانے والے ایک غوطہ خور، ٹیکس انسپکٹر یا زندگی بچانے والی دوائیوں کے موجد کو کیا مناسب/جائز (جن کے وہ قابل ہوں) انعامات ملنے چاہئیں؟ اس حوالے سے مسلسل تنازعات جنم لیں گے، مختلف گروہوں میں یہ بحث ہو گی کہ انہوں نے ہی دوسروں سے زیادہ حصہ ڈالا ہے، اور ان کو حل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہو گا۔

امتیاز/فرق گھٹانا

ان تمام مسائل کے پیش نظر، فکری بحث ناگزیر طور پر دولت اور آمدنی کی زیادہ مساوات سے زیادہ انصاف/حق کی طرف جاتی ہے۔۔(یعنی) دولت اور آمدنی میں کون سے فرق پھر بھی قابل قبول ہیں۔ یہاں توجہ دولت، آمدنی یا دیگر خصوصیات میں پائے جانے والے شدید فرق کو ختم کرنے پر مرکوز ہے۔

نقطہ نظر میں مسائل

لیکن یہ عملی نقطہ نظر قوی/موثر نہیں ہے: اگر عدم مساوات کو برا سمجھا جاتا ہے تو کم کی گئی عدم مساوات بھی تو اچھی نہیں ہے۔ نہ ہی یہ نقطہ نظر متوازن/مستحکم ہے: ہم عدم مساوات کو 'منصفانہ' حدود میں رکھنے کی کوشش کر سکتے ہیں، لیکن انصاف (پسندی) بھی تو ایک موضوعی/داخلی خیال ہے، اور اس بارے میں اختلاف رہے گا کہ کتنی حد تک عدم مساوات قابل قبول تھی۔ اغلب امکان یہ بھی ہے کہ زیادہ مساوی آمدنی یا دولت مکمل طور پر مساوی آمدنی سے بھی زیادہ بحث کا باعث بنے گی، لوگ

ایسے لوگوں سے حسد کریں گے جن کی حالت بہتر ہو گی، اور یہ شکایت کریں گے کہ ان کی خصوصی ضروریات یا خدمات کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

ان تمام مسائل کے پیش نظر، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ بحث پھر اس سوال کی طرف بڑھ جاتی ہے کہ آیا نتائج کو برابر کرنے یا اس سے بھی کم کرنے کے بجائے، ہم ان مواقع کو برابر یا (ان میں فرق کو) محدود کر سکتے ہیں جو ہر کسی کے لیے دستیاب ہیں۔

(12)

مواقع کی مساوات

مواقع کی مساوات یہ خیال ہے کہ ہر کسی کو، قطع نظر اس کی دولت، پرورش یا دیگر خصوصیات جیسے نسل، مذہب، جنس یا عمر کے ملازمتوں، سول دفاتر یا دیگر مواقع کے لیے مساوی بنیادوں پر مقابلہ کرنا چاہیے۔ صرف متعلقہ خصوصیات، جیسے کہ کام کرنے کی ان کی صلاحیت، کو شمار کیا جانا چاہیے۔

یقیناً پرورش ہی سب سے بڑے عوامل میں سے ایک ہے جو لوگوں کو فائدہ مند ملازمتوں اور مواقع تک رسائی سے روک سکتا ہے۔ مستحکم، پیار کرنے والے، حوصلہ افزائی کرنے والے خاندانوں کے بچے ہی اسکول میں اچھی کارکردگی دکھانے اور کالج جانے یا اچھے معاوضے کی ملازمت کی تربیت لینے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ لہذا، مواقع کی بحث کی زیادہ تر مساوات اس بارے میں ہے کہ ہم پس منظر کے ان امتیازات یا فرق کو کس طرح برابر، یا کم از کم ان کو کم کر سکتے ہیں۔

ایک بار پھر، اس میں کوتاہیاں/خامیاں ہیں۔ مثال کے طور پر، فائدہ مند ملازمتوں اور دفاتر کے لیے مساوی مواقع پر توجہ مرکوز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آمدنی اور حیثیت میں عدم مساوات برقرار ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ نقطہ نظر ایک ایسے معاشرے کے تصور کو قبول کرتا ہے جو یکساں/مساوی نہ ہو، اس میں ہر طرح کی عدم مساوات ہو لیکن جس میں قابلیت کو اہمیت حاصل ہو۔ اور ہم ایک بار پھر انسانی زندگی کے صرف ایک چھوٹے سے حصے، یعنی پرورش کی نشاندہی کر رہے ہیں، اور باقی کو نظرانداز کر رہے ہیں۔

مساوی مواقع کے معنی

یکساں پرورش خارج از امکان۔ عدم مساوات کو جنم دینے والا اور اسے تقویت پہنچانے میں واضح طور پر

خاندان ہی کا ایک بڑا کردار ہے۔ یہ حقیقت کہ پرورش لوگوں کی مستقبل کی زندگیوں کو واقعی میں متاثر کر سکتی ہے ہمیں یہ پوچھنے پر مجبور کرتی ہے کہ اسے اس طرح کیسے برابر کیا جا سکتا ہے کہ ہر کسی کو کوئی بھی ایسا مقام حاصل کرنے کا مناسب موقع ملے جس کے وہ اہل ہوں۔

زندگی کے نتائج میں تعلیم خاص طور پر بڑا کردار ادا کر سکتی ہے، لیکن بہترین اسکولوں تک رسائی، اور تعلیمی کامیابیوں کا انحصار بھی پرورش پر ہو سکتا ہے۔ ہم سکولنگ میں مساوات کو یقینی بنانے کے لیے شعبہ تعلیم میں ایک ریاستی اجارہ داری قائم کر سکتے ہیں، لیکن اس طرح کے یکساں نظام کے اندر بھی، کچھ اساتذہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ متاثر کن ہوں گے۔۔۔ جس سے در حقیقت تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات سے زیادہ فرق پڑ سکتا ہے۔۔ لٰہذ مساوات کی کوئی ضمانت تو اس کے باوجود بھی نہیں ہے۔ اور خاندانی اقدار سے کچھ بچوں کو فائدہ ہوتا رہے گا جیسے جیسے وہ اسکول اور ملازمت میں آگے بڑھیں گے۔

ان سب چیزوں کو برابر کرنے کا شاید واحد طریقہ یہ ہو گا کہ بچوں کو پیدائش کے وقت سرکاری نرسریوں میں لے لیا جایا جائے، اور فی الواقعی کسی بھی طرح کے انسانی رابطے کو کم سے کم کیا جائے۔ یہ یقیناً ایک مضحکہ خیز اور غیر منصفانہ خیال ہے، گو کہ یہ ایسا خیال ہے کہ جو مواقع کو برابر کرنے کے خارج از امکان ہونے کو اجاگر کرتا ہے۔

کارکن اور ملازمین

اور کیا ملازمت کے امیدواروں کے یکساں حقوق آجروں کے انتخاب کو ختم کر دیتے ہیں؟ فرض کریں (1970 کی دہائی سے حقیقی دنیا کا ایک قانونی مقدمہ لیتے ہوئے) کوئی سکاٹش باورچی کے لئے اشتہار دیتا ہے۔ شاید وہ سکاٹس (سکاٹ لینڈ کے باشندے) کو پسند کرتے ہوں، یا انہیں یقین رہو کہ وہ کفایت شعار اور ایماندار ہوتے ہیں، یا انہیں سکاٹش کھانے پسند ہوں، یا سکاٹش لہجے کو سننا پسند کرتے ہوں، یا سو دیگر وجوہات میں سے کسی بھی وجہ سے؛ کیا قانون کو انہیں تمام فرانسیسی یا اطالوی درخواست

دہندگان کو مسترد کرنے سے روکنا چاہیے جن کو وہ شاید کم پسند کرتے اور کم اعتماد کرتے ہوں؟ کیاان کی اپنی ترجیحات، خواہ غیر معقول ہی ہوں، کسی شمار قطار میں نہیں آتی ہیں؟

پریشانی یہ ہے کہ مساوی مواقع کی اس طرح کی قانونی ضمانتوں کے بغیر، آجر کچھ گروہوں (مذہبی یانسلی گروہوں، یاتارکین وطن) کے ساتھ امتیازی سلوک کر سکتے ہیں، جس سے وہ مستقل طور پر خارج/باہر اور پسماندہ رہ جائیں۔ لیکن تارکین وطن، اگر یہ مثال لے لی جائے، محض کم اجرت کو قبول کرتے ہوئے کام شروع کر کے اور وہاں اپنی قابلیت اور ساکھ بنا کر اپنے خلاف تعصب پر قابو پا سکتے ہیں۔

صاف/سیدھی سی بات ہے آجروں کو ایسے امیدواروں کو مسترد کرنے کا حق ضرور حاصل ہونا چاہیے جو کام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ افسوس ناک طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر ہنر منداور وہ جن کی خواندگی، حساب دانی اور زبان کی روانی کمزور ہے، ایسے کارکنان کو اکثر بطور امیدوار خارج کیا جائے گا؛ جبکہ اقلیتی گروہوں کو ملازمتیں تلاش کرنے اور درخواست دینے میں زیادہ دشواری ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ تمام گروہ غریب تر ہوتے ہیں، اور مواقع کی برابری ان کے امکانات کو بڑھانے کے لیے بہت کم کام آسکتی ہے۔

کون سی قابلیت/اہلیت قابل غور ہے؟

کون فیصلہ کرتا ہے کہ 'کام کرنے کی صلاحیت' سے کیا مراد ہے؟ کیا ماضی کی مجرمانہ سزائیں کسی امیدوار کو مسترد کیے جانے کا جواز پیش کریں گی، یا صرف وہی سزائیں/فرد جرم جو متعلقہ معلوم ہوتی ہیں (جیسے بینک کی ملازمتوں کے لیے درخواست دینے والے لوگوں کے معاملے میں فراڈ پر سزائیں)؟ کسی کو خارج/مسترد کرنا کتنا سنگین جرم/گستاخی ہونی چاہیے؟ اور ہمیں اُن امیدواروں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے جن کے پاس کام کرنے کی تکنیکی مہارت ہے، لیکن وہ کام کے حوالے سے کم تحریک/ترغیب، عزم یا جوش دکھاتے ہیں؟ کیا اس کے باوجود بھی انہیں اب بھی مساوی مواقع کی

پالیسی کے تحت شامل کیا جانا چاہیے؟

اس طرح کے فیصلے فطری طور پر موضوعی ہوتے ہیں اور غالباً آجروں پر ہی چھوڑنے چاہئیں۔۔ خواہ اگر کبھی کبھی یہ بھی واضح نہ ہو کہ امیدوار کو نااہلی یا امتیازی سلوک کی وجہ سے مسترد کیا جا رہا ہے۔

کیا ہمیں وراثت کی فکر کرنی چاہیے؟

مختلف خاندان اپنے بچوں کو کئی طریقوں سے مختلف شروعات دیتے ہیں، اگرچہ پالیسی فوکس پھر بھی جوڑ توڑ والے عوامل۔۔ آمدنی اور دولت۔۔ پر ہوتا ہے۔ لیکن کیا مال/دولت کی وراثت اہم ہے اور اگر ہے تو ہم اس کی تلافی کیسے کر سکتے ہیں؟

عامل کا اثر/اہمیت

وراثت میں دولت کا ملنا ایک فائدہ ہو سکتا ہے، لیکن وراثت عام طور پر ذاتی دولت کا ایک معمولی تناسب ہی ہے۔ تب بھی، وراثت عدم مساوات کو شاید زیادہ نہ بڑھائے، کیونکہ یہ ان لوگوں کے اعمال پر منحصر ہے جن کو وراثت ملتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، خاندانی دولت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور جن کو خاندانی کاروبار وراثت میں ملتا ہے وہ شاید اسے اچھی طرح سے نہ چلا سکیں۔ اور جنہیں مالیاتی/مالی اثاثے وراثت میں ملیں ہو سکتا ہے وہ اس رقم کی غیر دانشمندانہ طور سے سرمایہ کاری کریں۔

کسی بھی صورت میں، زیادہ تر مالی کامیابی وراثت سے نہیں، بلکہ لوگوں کی اپنی پسند، ترغیب و تحریک اور عمل سے آتی ہے۔ دنیا کے دو تہائی امیر ترین افراد نے اپنی قسمت خود بنائی ہے، انہیں وراثت میں نہیں ملی۔ 2021 میں "رمسے سلوشنز" نے بتایا کہ دس ہزار امریکی کروڑپتیوں کے سروے میں ان میں سے صرف پانچویں کو ہی کوئی وراثت ملی تھی، اور صرف 3 فیصد کو 1 ملین ڈالر یا اس سے زیادہ ورا ثے میں ملے تھے۔

کیا قسمت غیر منصفانہ/ظالم ہے؟

کسی بھی صورت میں، ہم لوگوں کو محض ان والدین کے ہاں پیدا ہونے پر سزا کیوں دیں جو مالی یا دوسری طرح سے ان کی مدد کرتے ہیں؟ انہوں نے کوئی غلط کام کیا نہیں تو ان کی خوش قسمتی کو جرمانہ/سزا کیوں دیں؟ زندگی بنیادی طور پر تو قسمت کا ہی معاملہ ہے۔۔۔ مثال کے طور پر صحیح وقت پر صحیح جگہ پر ہونا، کارآمد دوستوں کا ملنا، ایسے مواقع حاصل ہونا جو نتیجہ خیز ہوں۔ اور لوگوں کے ساتھ برے واقعات بھی ہوتے ہیں۔۔۔ مثال کے طور پر، ان کی نوکری بدلتی ہوئی ٹیکنالوجی کا شکار ہو سکتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی غیر منصفانہ/برا نہیں ہے، ایسی چیز جس پر سزا/جرمانہ یا جس کا ازالہ ہونا چاہیے۔ یہ تو بس اک اتفاق ہے۔

لاٹری کے انعام کی طرح وراثت بھی قسمت کا ہی معاملہ ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کا اپنی لاٹری کے انعام پر حق ہے تو ان کی وراثت پر کیوں نہیں؟

یقیناً، وصیت کرنے والے اپنے ورثا کو جو رقم دیتے ہیں وہ انہیں صرف قسمت ہی سے تو نہیں ملتی۔ عام طور پر، انہوں نے یہ بچت اور سرمایہ کاری کر کے کمائی ہوتی ہے۔ زیادہ تر وراثت اگرچہ امیروں کی وسیع املاک سے نہیں ہوتی بلکہ عام خاندانوں میں تھوڑی تھوڑی مقدار میں ہوتی ہے۔ یہ ان کے ورثاء کو کچھ تحفظ فراہم کرتی ہے اور ریاست یعنی ٹیکس دہندگان پر (ریاست کے پاس پیسہ ٹیکس دہندگان کا ہی ہوتا ہے) ان کا انحصار کم کرتی ہے۔

اصول حاوی/بالادست

وراثت سے متعلق قوانین نتائج پر بہت بڑا اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، پرائموجینیچر (کہ وراثت بڑی اولاد۔۔ بیٹا یا بیٹی۔۔۔ کا ہی حق ہے) کی برطانوی روایت کی وجہ سے بڑی مضافاتی املاک آج بھی پائی جاتی ہیں، یہ روایت انہیں قائم رکھنے میں مددگار ہے۔ ہو سکتا ہے اس روایت کے بڑے

اچھے جواز ہوں: اس کے برعکس فرانس میں زندہ بچ جانے والے بچوں کے درمیان زمین کی تقسیم کی روایت چھوٹے فارمز کا باعث ہے جو اقتصادی لحاظ سے پنپنے کے قابل نہیں ہوتے۔ اگر ہم نے نتائج کو زیادہ مساوی بنانا ہی ہے تو وقت آنے پر دوبارہ تقسیم کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے، وراثت سے متعلق قوانین میں اصلاح کر کے ہم بہتر نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

وراثتی ٹیکس معیشت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس سے دولت مندوں کو بچت اور سرمایہ کاری کے بجائے خرچ کرنے کی ترغیب ملتی ہے، جس ملک کے پیداواری سرمائے میں کمی اور اس طرح اس کی پیداواری صلاحیت اور ترقی میں رکاوٹ آتی ہے۔ اور یہ انہیں اپنی دولت زیادہ پیداواری چیزوں کے بجائے ایسے اثاثوں کی صورت میں رکھنے پر اکساتا/آمادہ کرتا ہے کہ بدترین ٹیکس سے بچ سکیں۔

مواقع کی بڑھتی ہوئی مساوات

اگرچہ دولت کا تعلق خاندانی پس منظر یا اچھی تعلیم کی قسمت سے ہو سکتا ہے، لیکن مکمل طور پر ہرگز نہیں۔ راک اسٹار کی آمدنی تعلیم یا خاندان سے زیادہ قدرتی ٹیلنٹ/ہنر پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ حقیقت کہ معمولی پس منظر سے تعلق رکھنے والے باصلاحیت لوگ راک اسٹارز؛ اور وکلاء، ڈاکٹر، سی ای اوز اور وزیر اعظم بن جاتے ہیں یہ بتاتی ہے کہ مواقع پہلے سے ہی کافی برابر ہیں، اور شاید مزید مساوی ہو رہے ہیں۔

13

ری ڈسٹری بیوشن کی پالیسیاں

معاشی مساوات کی تھیوری/ نظریہ سے بھی کم اتفاق اس امر پر پایا جاتا ہے کہ کون سی عملی پالیسیاں اسے بہتر طور سے فروغ دے سکتی ہیں۔ جو ممکنہ زرائع یا آپشن ہیں ان میں دولت پر عائد کردہ ٹیکس (ویلتھ ٹیکس) کے زریعے پرا گریسو ٹیکسیشن سے لے کر، فلاح و بہبود/ویلفیئر، کم از کم اجرت، منفی انکم ٹیکس (مقررہ حد سے کم کمانے والوں کو جب ریاست پیسہ دیتی ہے) میں اضافہ اور پسماندہ گروہوں کو فروغ دینے کے لیے مثبت اقدام شامل ہیں۔ لیکن ایک مختلف قسم کی حکمت عملی، اقتصادی ترقی کو فروغ دینا، بھی ہے جس کا کم ہی ذکر کیا جاتا ہے۔

پروگریسیو ٹیکسیشن

پرو گریسو ٹیکسیشن یہ خیال ہے کہ زیادہ آمدنی والوں کو کم آمدنی والوں کے مقابلے میں اپنی آمدنی کا زیادہ تناسب ٹیکس میں ادا کرنا چاہیے۔ یہ ایک عمومی تضاد ہے۔۔ مساوات کے نام پر غیر مساوی سلوک، لیکن حامی اسے کم ہوتی افادیت کی بنیاد پر جائز قرار دیتے ہیں۔ آسان الفاظ میں، جن لوگوں کے پاس جو کچھ زیادہ ہوتا ہے وہ اس سے کم ویلیو/قدر اور لطف اٹھاتے پائے جاتے ہیں۔ کسی گرم دن پانی کی ایک بوتل ہاتھ میں شاید ایک نعمت ہو، ایک اور کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا، لیکن مزید 50 مل جائیں تو اس کا بہت کم فائدہ ہے۔

دلیل مزید یہ دی جاتی ہے کہ آمدنی کا بھی یہی حال ہے۔ ایک کم کمانے والے کے لیے ایک پاؤنڈ یا ڈالر یا یورو بھی نہایت اہم ہے؛ درمیانی آمدنی والے کے لیے اہم؛ لیکن زیادہ کمانے والے کے لیے معمولی بات ہے۔ اس لیے زیادہ کمانے والوں کی تنخواہ کا زیادہ تناسب لینا مناسب ہے کیونکہ وہ نقصان کو اتنی

شدت سے محسوس نہیں کریں گے۔ یہ اضافی آمدنی ہمیں کم کمانے والوں کی مدد کرنے کے قابل بنائے گی اور اس طرح زیادہ موثر طریقے سے آمدنی کو برابر کرے گی۔ اور اس عمل میں، کمیونٹی کو حاصل ہونے والی کل افادیت میں اضافہ ہوگا، کیونکہ پیسہ ان لوگوں سے لیا جارہا ہے جو اس کی کم قدر کرتے ہیں اور ان کو دیا جاتا ہے جو اس کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔

موضوعیت / داخلیت کا مسئلہ

یقیناً یہ سب داخلی ہے۔ پاونڈ یا ڈالر یا یورو سے جو افادیت یا لطف حاصل ہوتا ہے وہ ان کے اپنے ذہن میں ہوتا ہے۔ ہم اس کی پیمائش نہیں کر سکتے، بالکل اسی طرح جیسے ہم لوگوں کی خوشی یا درد، خوشی یا غم، پریشانی یا سکون کی پیمائش نہیں کر سکتے ہیں۔ اور (ان میں سے دوسرے جذبات کی طرح) ہم یقینی طور پر اسے ایک شخص اور دوسرے کے درمیان برابر نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہم اس بات کا یقین نہیں کر سکتے کہ کچھ لوگوں سے پیسے لے کر دوسروں کو دینے سے اس چیز کی کل قدر بڑھ جائے گی جو معاشرے کو حاصل ہوتی ہے یا اس سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے۔

افراد متنوع ہیں، اور سبھی آمدنی کو صرف اس چیز کے لیے اہمیت نہیں دیتے جو وہ دلا سکتی ہے۔ بہت سے لوگ شاید آمدنی کو اچیومنٹ، قبولیت، کامیابی اور حیثیت کا نشان سمجھتے ہوں۔ دوسروں کی شاید یہ خواہش ہو کہ اپنے ورثاء کی فکر کر سکیں۔ کچھ بچت اور کاروبار شروع کرنے کے خواہشمند ہو سکتے ہیں۔ پھر ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی آمدنی فلاحی کاموں کے لیے وقف کرنا چاہیں۔ اس لیے یہ زیادہ کمانے والے کم کمانے والوں کی طرح آمدنی کے نقصان کو شدت سے محسوس کر سکتے ہیں۔

اکثریت کی پالیسی کی رکاوٹیں

ہم اگر یہ سمجھ بھی لیں کہ ترقی پسند ٹیکس معاشرے میں مجموعی قدر کو بڑھا دیں گے، تو کیا واقعی سیاسی اکثریت کو اقلیت (زیادہ کمانے والی) پر اس طرح کی "ری ڈسٹری بیوشن" مسلط کرنے کا حق ہے؟ اس کا

مطلب یہ ہو گا کہ آمدنی کو ایک مقررہ وسیلہ کے طور پر سمجھا جائے، یہ مانتے ہوئے کہ اگر کچھ لوگوں کے پاس دولت ہے تو باقی سب کے لیے کم ہی/ناکافی بچتی ہے۔ یہ غلط ہے: قدر/ویلیو طے نہیں ہوتی بلکہ اختراع، سرمایہ کاری اور پیداواری صلاحیت کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد، ترقی یافتہ ممالک کی آبادیاں/لوگ سن 1800 کے مقابلے میں آج سو گنا بہتر ہیں۔ زیادہ کمانے والوں کی بڑی اکثریت آج اس لئے ایسی ہے کیونکہ وہ دیگر ہزاروں یا لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں قدر اور بہتری کا باعث ہیں۔ اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ان پر پہلے سے ہی بہت زیادہ ٹیکس لگایا گیا ہے۔

ہم محاصل/نتائج کو اس عمل سے الگ نہیں کر سکتے جو انہیں تخلیق کرتا ہے۔ ترقی پسند ٹیکس ناگزیر طور پر کاروباری اور سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، اور اس وجہ سے ترقی اور اقتصادی ترقی میں کمی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس سے معاشرہ میں مزید برابری کا امکان تو بڑھ جاتا ہے لیکن معاشرہ بدتر (بھی) ہو جاتا ہے۔

ویلتھ ٹیکس

مساوات کی ایک اور ممکنہ حکمت عملی یہ بھی ہے کہ امیر لوگوں کی دولت پر سالانہ ٹیکس لگایا جائے۔ مثال کے طور پر آکسفیم دولت پر 0.5 فیصد ٹیکس تجویز کرتی ہے، جو نسبتاً معمولی لگتا ہے۔ لیکن کم شرح سود کے دور میں، جہاں سرمایہ کاریاں حقیقی معنوں میں کم سے کم 1 فیصد تک کمائیں، یہ سرمایہ کاری کے منافع پر 50 فیصد ٹیکس کے برابر بنتا ہے۔ افراط زر کی وجہ سے یہ منافع کم ہو جائے گا (ٹیکس کی موثر شرح کو اور بھی زیادہ بڑھا دے گا) یا ان کو منفی بھی کر دے گا (اس صورت میں ہم لوگوں کی کم ہوتی دولت پر ٹیکس لگائیں گے)۔

اس طرح کے ٹیکسوں سے لوگوں کے رویے میں واضح تبدیلی آئے گی۔ وہ ترقی کے لیے درکار سرمایہ کاری کی معیشت پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے اپنی دولت خرچ ہی کریں گے۔ وہ اپنا پیسہ بیرون ملک منتقل کر کے یا بغیر ٹیکس والی لیکن کم منافع بخش سرمایہ کاری کر کے ٹیکس سے بچنے کی کوشش کریں گے، اور

اک بار پھر اقتصادی ترقی کو نقصان پہنچائیں گے۔ یا چونکہ دولت کی پیمائش کرنا مشکل ہے، اس لیے وہ جھوٹ ہی بولیں گے اور اپنے پاس موجود اثاثوں کی قیمت کم بتائیں گے۔
تھامس پیکیٹی کی 80 فیصد یا اس سے زائد ویلتھ ٹیکس کی تجویز کے اور بھی زیادہ غیر پیداواری یا خلاف منشاء نتائج نکلیں گے۔

اثاثوں کی تغیر پذیر قدر

دولت کی پیمائش کا مسئلہ ایک اور طرح سے بھی سنگین ہے۔ کسی شخص کی دولت اس کے اثاثوں کی مارکیٹ ویلیو/قیمت منفی اس پر موجود قرضوں پر مبنی ہوتی ہے یعنی اس کے اثاثوں کی جو کل مالیت ہے اس سے اس پر موجود قرضوں کو منہا کر کے جو بچتا ہے، وہ اس کی دولت کہلاتی ہے۔ لیکن مارکیٹ کی قیمتیں بڑھتی اور گرتی ہیں۔۔ اکثر کافی حد تک۔ ایک ارب پتی کی دولت ایسی کمپنی کی بدولت ہو سکتی ہے جس نے کوئی انتہائی کامیاب پروڈکٹ تیار کی ہو۔ لیکن کسی بھی وقت، ٹیکنالوجی، فیشن یا وسائل کی دستیابی میں تبدیلی اس کاروبار کو ڈبو سکتی ہے اور اس کا مالک دیوالیہ ہو سکتا ہے۔ قابل ادائیگی ٹیکس کی رقم اس بات پر منحصر ہو گی کہ کس دن ٹیکس کا جائزہ لیا گیا تھا۔ انتہائی صورت میں، اگر یہ اسٹاک مارکیٹ کریش ہونے سے ایک دن پہلے لیا گیا ہے تو ہم ان لوگوں پر ٹیکس لگا رہے ہوں گے جو اب امیر نہیں ہیں، جو کہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ لگتا ہے۔

آمدنی کی رکاوٹیں

ویلتھ ٹیکس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے اس بارے لوگ کچھ حد سے زیادہ اندازہ لگاتے ہیں۔ بوتھ اینڈ ساؤتھ ووڈ (2017) حساب لگاتے ہیں کہ اگر آپ دنیا کے امیر ترین لوگوں کی پوری دولت لے لیں اور اسے دنیا کی آبادی میں ان کی عمر کی ساتھ ساتھ ان میں یکساں طور پر تقسیم کریں، تو آپ ہر ایک کو تنخواہ میں سالانہ صرف 1.35$ کا ہی اضافہ دے سکیں گے۔ اور آپ تمام تر مراعات کو ختم/تباہ کر

کے رکھ دیں گے۔

آکسفیم کا ٹیکس تقریباً 200 بلین ڈالر اکٹھا کر سکتا ہے، جو کہ 22,000 بلین ڈالر کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے جو عالمی حکومتیں فلاح و بہبود، پنشن اور دیگر مساوی فوائد پر خرچ کرتی ہیں۔ یقینی طور پر، دنیا کے غریب ترین افراد کے لیے دستیاب مواقع کو بڑھانے کے لیے 200 بلین ڈالر سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن حکومتوں کے پاس توجہ مرکوز کرنے کیلئے اپنے اندرونی مسائل (اور سیاست دانوں کے اپنے پالتو منصوبے) ہوتے ہیں، اس لیے ایسا ہونے کا امکان بہت کم ہے۔

غیر ملکی دولت

مساوات کے بیانیے کا ایک عام موضوع یہ ہے کہ امیر لوگ اپنی دولت کو کم ٹیکس والے ممالک میں ('ٹیکس کی پناہ گاہوں' کے طور پر بدنام) میں جمع کر کے ٹیکس سے بچ جاتے ہیں، اس طرح اسکولوں، فلاح و بہبود اور دیگر ریاستی خدمات کو رقم دینے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن در حقیقت ایسی دولت محض 'جمع کی گئی' نہیں ہوتی۔۔ یہ ایسے مخصوص مالیاتی مراکز میں جاتی ہے جو اس کا مضبوط، منظم اور سب سے زیادہ پیداواری استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے اس سرمائے کو اس سے کہیں زیادہ پیداواری طور پر لگایا جاتا ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ اگر حکومتوں کو ٹیکس کے طور پر دیا جائے، جو اس کا زیادہ تر حصہ موجودہ/جاری اخراجات پر خرچ کرتی ہیں، جس سے ملک کے پیداواری مستقبل میں سرمایہ کاری کم رہ جاتی ہے اور اس طرح آمدنی کی تمام سطحوں پر لوگوں کا برا حال ہو جاتا ہے۔

لوگوں کے اپنے پیسوں کو۔۔۔ یا خود۔۔ کو کم ٹیکس والے دائرہ اختیار/ممالک میں منتقل کرنے کا امکان بتاتا ہے کہ موثر ہونے کے لیے ویلتھ ٹیکس کا عالمی ہونا ضروری ہے۔ اسے حاصل کرنا بہت مشکل ہو گا۔ بہت سے کم ٹیکس کے دائرہ اختیار چھوٹے ہوتے ہیں، بعض اوقات جزیرے، قومیں، جو اس سرمائے کے انتظام، اسے مینیج کرنے کے علاوہ بہت کم ہی اس کو دیگر استعمال میں لاتی ہیں۔ اور بڑے ممالک تک بین الاقوامی معاہدے کو ناکام بنا سکتے ہیں اگر انہیں لگے کہ وہ کم ٹیکس یا (قوانین کے) نرم

نفاذ تک سے کسی طرح کا کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جتنا زیادہ ٹیکس ہو گا، اتنے ہی زیادہ لوگ اس سے بچنے کے راستے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے شاید ویلتھ ٹیکس، خاص طور پر جس پیمانے پر پیکٹی کی طرف سے وکالت کی گئی ہے، ناقابل عمل ہے اور اس پر بحث کرنا بے معنی ہے۔

کم از کم اُجرت

ٹیکس میں اضافہ کیے بغیر، آجروں کو لوگوں کو گھنٹہ کے حساب سے ایک مخصوص شرح سے کم ادائیگی کرنے سے منع کرنے والے قوانین کو غریب ترین کارکنوں کی آمدنی بڑھانے کے ذریعہ/طریقے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس سے ان کارکنوں کی حوصلہ افزائی ہو گی، پیداواری سرمایہ کاری میں اضافہ ہو گا، اور سماجی فوائد حاصل کرنے اور کام کرنے کی ترغیب میں اضافہ ہو گا۔

لیکن کم از کم اجرت سے غریب ترین کو کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ غریب ترین لوگ سرے سے کام پر نہیں ہیں اور (ناقدین کا کہنا ہے کہ) کم از کم اجرت کی پالیسی کے ذریعہ انہیں کام سے باہر کر دیا گیا ہے۔ جب تک کہ کارکنان کسی کاروبار کے لیے ملازمت کے تمام اخراجات (اجرت، ٹیکس، پنشن، انتظامی وقت، وغیرہ) سے زیادہ منافع پیدا نہ کریں، انہیں ملازمت پر نہیں رکھا جائے گا۔ اس لیے کم از کم اجرت میں کم قیمت والی ملازمتوں کو مرحلہ وار ختم کیا جا رہا ہے یا لوگوں کے بجائے روبوٹ سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے لیے نوکری حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے جن کی ہم سب سے زیادہ مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن جو کاروبار کے لیے کم قیمتی ہیں، جیسے کہ ناتجربہ کار نوجوان، غیر ہنر مند کارکنان یا تارکین وطن جن کی زبان پر گرفت کمزور ہوتی ہے۔ درحقیقت، یہ حقیقت کہ نوجوانوں کے لیے عام طور پر کم از کم اجرت کی شرح کم ہوتی ہے، اس بات کا اعتراف لگتی ہے کہ دوسری صورت میں وہ محروم رہ جائیں گے۔ اگرچہ اس بات کے کچھ شواہد موجود ہیں کہ وہ درحقیقت یہ (محروم) ہیں: 'اسٹارٹر جابز'/پہلی ملازمت (سینما حاجب، سپر مارکیٹ میں تھیلے وغیرہ پیک کرنے والے، فلنگ اسٹیشن پمپ اٹینڈنٹ/تیل ڈلوانے والے وغیرہ) کے خاتمے/ضیاع سے کچھ نوجوان ملازمتوں کا سفر شروع کرنے

سے ہی محروم رہ سکتے ہیں اور یوں وہ سماجی فوائد/مراعات پر ہی انحصار کریں گے۔

کم از کم اجرت کے حامیوں کا کہنا ہے کہ ملازمت کا یہ خاتمہ/یا ضیاع مختلف وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے جیسے کہ تکنیکی تبدیلی، اور یہ کہ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کہ کم از کم اجرت واقعی روزگار کو متاثر کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ سچ تھا تو بھی، کیا کم از کم اجرت واقعی ان کے مطلوبہ ہدف کو پورا کرتی ہے؟ بہت سے کم از کم اجرت والے ممالک میں، کم از کم اجرت کمانے والوں کی اکثریت کا تعلق غریب گھرانوں سے ہوتا ہی نہیں ہے: وہ والدین کے ساتھ رہنے والے طلباء ہوتے ہیں، ریٹائرڈ لوگ ہوتے ہیں جو فعال رہنا چاہتے ہیں، یا زیادہ کمانے والوں کے ساتھی/پارٹنر ہوتے ہیں۔ اگر ہم واقعی غریبوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں، تو ہم 'ارنڈ انکم ٹیکس کریڈٹ' (کم اجرت والوں کو جوری فنڈ کیا جاتا ہے) یا منفی انکم ٹیکس کے نظام کے ساتھ کہیں زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، جس سے آجر وہ اجرت ادا کرنے سکیں گے جو جاب/ملازمت کا استحقاق ہے، لیکن جس سے حقیقی طور پر غریبوں کی تنخواہ قابل قبول سطح تک آئے گی۔

مختلف گروہوں کے لیے مختلف معیارات

ایک اور طریقہ جس سے ہم غریب لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں، امتیازی سلوک کو محض غیر قانونی قرار دینے سے آگے، کہ مختلف معیارات کو لاگو کر کے فائدہ مند/اعلیٰ تقرریوں میں کم نمائندگی رکھنے والے گروہوں کی تلافی کریں۔ اس میں کوٹہ سسٹم شامل ہو سکتا ہے، جس کے تحت کسی اسکول میں جگہوں/آسامیوں کا ایک خاص تناسب، یا کسی کاروبار، یونیورسٹی یا سرکاری محکمے میں ملازمتیں ایک خاص جنس، نسل یا مذہب کے لوگوں کو دینی پڑیں گی۔

اس پالیسی کے ساتھ ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ گروہوں پر توجہ مرکوز کرتی ہے، افراد پر نہیں۔ کسی خاص گروپ کے امکانات کو بڑھانے سے اس کے اچھے ممبروں کے ساتھ ساتھ اس کے غریب ارکان کو بھی فائدہ مل سکتا ہے، جو کہ اس کا مقصد نہیں ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے گروہ خصوصی

سلوک کے مستحق ہیں، یہ فیصلہ کس کو کرنا چاہیے اور کن بنیادوں پر، (اس کا) بظاہر کوئی معروضی جواب نہیں ہے۔

متضاد/غیر موافق علاج۔ کچھ گروہوں کو، خواہ وہ کتنے ہی مستحق ہوں، غیر مصفانہ طور زیادہ مواقع دینے کی معاشرے کو قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اگر آجر اپنے کوٹے کو منتخب گروپوں سے پُر کرنے کے پابند ہوں، چاہے وہ اچھی طرح سے اہل بھی ہوں، پیشہ ورانہ معیار گراوٹ کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ لوگ جو ان گروہوں میں نہیں ہیں، لیکن جو انفرادی طور پر اتنے ہی مستحق ہو سکتے ہیں، انہیں انہی مواقع سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور ہم اس پر غیر متعلقہ ویلیوز/اقدار کا خطرہ مول لیتے ہیں کہ جو دراصل تکنیکی انتخاب ہونے چاہئیں: مثال کے طور پر، اگر ہم نے اپنے انجینئرنگ پروجیکٹس کو محفوظ بنانا ہے تو ہمیں انجینئرنگ کے ایسے پروفیسرز کی ضرورت ہے جو ہنر مند ہوں، نہ کہ سماجی انصاف کے نام پر تعینات کئے گئے ہوں۔

انتخاب کے مسائل

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ملازمت کے درخواست دہندگان فی الواقعی آبادی کی عکاسی کریں۔ بہت کم خواتین آرمی آفیسر بننے کے لیے اپلائی کرتی ہیں، اور چند ہی مرد سوشل کیئر میں کام کرنے کا انتخاب کرتے ہیں۔ آجروں کو اس مسئلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ مخصوص گروپوں کے امیدوار ہی آسامیوں کو بھرنے کے لیے ناکافی ہو سکتے ہیں۔۔۔ جس سے معیارات مزید گر/نیچے چلے جاتے ہیں۔ اور جب ان گروپوں سے اہل درخواست دہندگان کی تقرری کر بھی دی جاتی ہے تو بھی انہیں یہ شکوک وشبہات ہو سکتے ہیں کہ آیا انہیں واقعی ان کی اہلیت کی بنیاد پر منتخب کیا گیا یا محض کوٹہ بھرنے کے لیے۔

اقتصادی ترقی

عالمی بینک کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ عدم مساوات کا بہترین تریاق "ری ڈسٹری بیوشن" نہیں بلکہ ایک پھلتی پھولتی معیشت ہے۔ شمالی امریکہ، یورپ اور اوقیانوسیہ (بحر اوقیانوس میں پھیلے جزائر) کے امیر صنعتی ممالک، دنیا کی اوسط فی کس جی ڈی پی کے تقریباً تین گنا کے ساتھ، سٹینڈرڈ جینی پیمائش کے مطابق سب سے زیادہ برابر ہیں۔ وہ جنوبی ایشیا، مشرقی ایشیا، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے عام طور پر غریب ممالک سے زیادہ برابر ہیں۔ اور وہ 'ذیلی صحارا افریقہ' سے کہیں زیادہ برابر ہیں، جن کی فی کس جی ڈی پی دنیا کی اوسط کا پانچواں حصہ ہے۔ (اگرچہ لاطینی امریکہ عالمی اوسط فی کس جی ڈی پی سے صرف 20 فیصد نیچے، کسی سے بھی بہت کم مساوی ہے، لیکن ان میں سے کچھ علاقائی خصوصیات جیسے یورپی اور مقامی آبادی کے درمیان بڑی تاریخی عدم مساوات کا نتیجہ ہو سکتی ہیں۔)

ایک خوشحال معیشت غریب ترین لوگوں کے لیے دستیاب مواقع کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرتی ہے۔ ایک امیر معیشت میں امیر لوگ بڑی سپریاٹس (کشتیوں) کے متحمل ہو سکتے ہیں، لیکن غریب بہتر رہائش، ٹرانسپورٹ، مواصلات، خوراک اور لباس کے متحمل جبکہ کم مشکل کام اور زیادہ فرصت سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اس حد تک ایک متحرک معیشت میں زیادہ آمدنی حاصل کرنے کا امکان لوگوں کو سرمایہ کاری، اختراعات اور مزید پیداوار کی ترغیب دیتا ہے، پوری کمیونٹی کو سستی، بہتر اور زیادہ پراڈکٹس تک رسائی سے فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر دوبارہ تقسیم معاشی سرگرمی کو متاثر کرتی ہے، تو کمیونٹی کو کا حال بدتر ہو جاتا ہے۔۔ بشمول غریب ترین کے، جو آج کی نسبت اس سے بھی بدتر ہو سکتے ہیں۔

ہم قطعی طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آمدنی کی مساوات کس طرح اقتصادی ترقی کو متاثر کرتی ہے، اور نہ یہ کہ معاشی ترقی کس حد تک مساوات کو فروغ دیتی ہے۔ یقینی طور پر، ایک آزاد معاشرہ اقتصادی طور پر غیر مساوی ہو سکتا ہے۔ لیکن آزاد معاشرے بھی خوشحال اور جمہوری معاشرے بننے کی کوشش میں ہوتے ہیں، جو غریب ترین لوگوں کی مدد کے لیے فلاحی اقدامات کو برداشت کر سکتے ہیں۔۔ اور کرتے

ہیں، اکثر انھیں غریب معاشروں کی اوسط آمدنی سے بھی اوپر لے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، امریکی آبادی کے نچلے پانچویں حصے کی اوسط آمدنی، جسے کانگریس کا بجٹ آفس 22,500 ڈالر سالانہ بتاتا ہے حکومت کی منتقلی کے فوائد سے حاصل ہونے والے 68 فیصد اضافے سے بھی پہلے، الجزائر (سوشلسٹ) کے ہر ایک کی اوسط آمدنی سے چھ گنا اور کیوبا (کمیونسٹ) میں اوسط سے پینتیس گنا سے بھی زیادہ ہے۔ جیسا کہ امریکی فلسفی ہیری فرینکفرٹ (2015) نشاندہی کرتے ہیں، سب کو یکساں طور پر غریب بنانا 'اس کے لیے بہت کم کہا جا سکتا ہے۔۔۔ آمدنی میں عدم مساوات کو ختم کرنا ہمارا سب سے بنیادی مقصد نہیں ہو سکتا۔

لیکن لبرلائزیشن اور تجارت کی حالیہ دہائیوں کی بدولت، دنیا امیر تر ہوتی جا رہی ہے، اور اسی لیے بدترین غربت نایاب ہوتی جا رہی ہے۔ اور کیا مساوات کے بارے میں اس تمام بحث میں ہمارا بنیادی مقصد غریب ترین لوگوں کو بہتر بنانا نہیں ہے؟ اخلاقیات کے نقطہ نظر سے، فرینکفرٹ (2015) کہتا ہے کہ 'یہ اہم نہیں ہے کہ ہر ایک کو ایک جیسا ہونا چاہیے یا یکساں اثاثے ہونے چاہئیں، اخلاقی طور پر جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک کے پاس کافی ہونا چاہیے۔'

(14)

جمہوریت اور مساوات

عوامی پالیسیوں میں اچھے ارادوں سے آگے یا اس کے علاوہ بھی کچھ ہونا ضروری ہے: انہیں بہر صورت اچھے نتائج دینے چاہئیں۔ لیکن "ری ڈسٹری بیوشن" والی پالیسیاں اکثر اس کے برعکس کرتی ہیں۔ زیادہ تر اخراجات غریبوں پر نہیں ہوتے، ریاستی خدمات متنوع ضروریات کی عکاسی نہیں کرتیں، اور تقسیم کاری کا پروگرام جتنا بڑا ہو گا، زندگی اتنی ہی زیادہ سیاست زدہ ہو جاتی ہے۔

اتحادی سیاست

جو لوگ دوبارہ تقسیم کے حامی ہیں انہیں یقین ہے کہ جمہوریت غریب لوگوں کے حق میں کام کر سکتی ہے: امیروں سے زیادہ تعداد میں ہونے کی وجہ سے، اگر وہ اسے استعمال کرنے کا انتخاب کریں، تو ان کے پاس "ری ڈسٹری بیوشن" کیلئے سیاسی وزن یا سیاسی اثر رسوخ ہے۔

لیکن یہ محض مفروضہ ہے: مفادات کے دیگر اشتراک/اتحاد انتخابی اکثریت پیدا کر سکتے ہیں جس کی انہیں واقعات پر اثرانداز ہونے کیلئے ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، زیادہ کمانے والے انتہائی غریبوں کی غربت کے خاتمے کے لئے ٹیکس کی منتقلی میں زیادہ رقم کی ادائیگی پر راضی ہو کر ان کے ساتھ اتحاد قائم کر سکتے ہیں، اور اس عمل میں اپنے آپ کو آج کے نظام کے مقابلے میں اور بھی خوشحال بنا سکتے ہیں، جو (آج کا نظام) درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والوں پر ہی زیادہ (مراعات و فوائد وغیرہ) خرچ کرتا ہے۔

لیکن جو اتحاد بالآخر غالب آتا ہے وہ شاید اس سے بھی کم خیراتی ہو۔ درحقیقت، یہ بہت غریب نہیں بلکہ درمیانی آمدنی والے اور قدرے بہتر طبقے کے لوگ ہی ہیں جو انتخابی عمل پر حاوی ہوتے ہیں۔ ان کا اثر رسوخ اس سے بھی زیادہ ہے۔ آمدنی کا پھیلاؤ گھنٹی کی شکل کا ہوتا ہے، جس میں اوپر اور نیچے کمانے والوں

کی تعداد کم ہوتی ہے، اور درمیان میں بڑی تعداد ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سب سے کم تنخواہ والی نصف آبادی میں بھی، یہ گروہ غالب رہے گا۔

سیاست پر متوسط طبقے کا غلبہ

اور درمیانی آمدنی والے اور قدرے اچھے/خوشحال گروہ ہی انتخابی عمل پر حاوی ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ تعداد میں ہیں، ٹیکسوں کا بڑا حصہ ادا کرتے ہیں، اور حیرت کی بات نہیں کہ وہ اس کا زیادہ تر حصہ پھر سے عالمگیر ریاستی فوائد جیسے (اس کا انحصار ملک پر ہے) پنشن، مفت تعلیم اور سبسیڈائزڈ رہائش، ہیلتھ کیئر اور ٹرانسپورٹ کی صورت میں حاصل کرتے ہیں، سبھی ان کی ضروریات کے مطابق ڈیزائن کیے گئے ہیں۔

یہ فوائد اور خدمات غریبوں کی مدد کے طریقوں کے طور پر عام کر کے عوام میں اپنی واہ واہ کرائی جا سکتی ہے، لیکن متوسط طبقہ بھی ان سے فائدہ اٹھاتا ہے (اور اکثر سب زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے: مثال کے طور پر، بہتر خاندانوں کے بچے غریب گھرانوں کے بچوں کے مقابلے میں ریاستی یونیورسٹیوں میں جانے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں)۔ ریاستی فوائد اور خدمات کو وسعت دینے کے لیے ووٹ دے کر متوسط طبقہ شاید زیادہ خیر خیرات کرنے والا بھی۔ لیکن اس کی (فوائد/مراعات کی وسعت کی) وہ بذات خود کوئی قیمت نہیں چکاتے مطلب ان کا ایک دھیلہ نقصان نہیں ہوتا۔

غریبوں کی حالت زیادہ بہتر ہو گی اگر حکومتی بجٹ کو ان کے درمیان برابر تقسیم کر دیا جائے۔ تاہم اب بھی زیادہ تر حکومتی اخراجات اس وقت بہتر طبقات جیسے کسانوں، طلباء، بوڑھوں، فنکاروں اور دانشوروں پر ہوتے ہیں۔ دریں اثناء، بجٹ کا ایک اہم حصہ ان مفاد پرست گروپوں کو جاتا ہے جو ان پروگراموں کو فروغ دیتے ہیں، ان میں کام کرنے والے عملے اور منتظمین، اور ان افسران کو جو ان کو ڈیزائن اور نافذ کرتے ہیں۔ یہ سب متوسط طبقے کی فلاح و بہبود کے خود کو برقرار رکھنے کو فروغ دیتا ہے، کیونکہ یہ گروہ (زیادہ تر خوشحال) نظام کے تحفظ میں مشترکہ مفاد رکھتے ہیں۔ غریب ایک بہت کم

مربوط مفاداتی گروہ ہے اور اس لیے پالیسی پر بہت کم اثر انداز ہوتا ہے۔

غربت پر سیاست

اس لیے لبرل جمہوریتوں میں فلاحی ریاست کے عروج اور توسیع کے باوجود غربت برقرار ہے۔ غربت دور کرنے یا مساوات کو فروغ دینے کے لیے کسی بھی عقلی حکمت عملی کی بجائے اس وقت کے سیاسی دباؤ اور اتحاد پر نتائج زیادہ منحصر ہوتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جسے ماہرین تعلیم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ فرض کرتے ہوئے کہ سیاسی نظام جمہوری اور منصفانہ ہے: در حقیقت، اس پر زیادہ تر مفاد پرست گروہ ہی حاوی ہوتے ہیں۔ عدم مساوات کو کم کرنا تو در کنار، سیاسی طاقت کے حقائق۔۔۔ خاص طور پر متوسط طبقے کا سیاسی غلبہ۔۔ کا مطلب ہے کہ سیاسی نظام عدم مساوات کو جنم دیتا ہے۔

ری ڈسٹری بیوشن کی رکاوٹیں

عملی طور پر، اس کی حدیں ہیں کہ زیادہ کمانے والوں پر ٹیکس لگانے سے کس قدر "ری ڈسٹری بیوشن" ممکن ہے۔ ارب پتیوں کی دولت زیادہ تر حکومتوں کو سالوں کے لیے نہیں بلکہ چند دنوں کے لیے چلا پائے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ اسے بہر حال ضبط کیا جا سکتا ہے: ارب پتیوں کی زیادہ تر دولت ان کے کاروباروں میں یا کاروبار میں ان کے حصص میں ہوتی ہے۔ حکومتوں کے ذریعہ اسے آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا، اور اگر وہ کوشش کریں گی تو ان کاروباروں کی قدر گر جائے گی۔

اس کے علاوہ، اعلیٰ ترقی پسند ٹیکس کی شرحیں زیادہ کمانے والوں کو مہنگے مشیروں کی خدمات حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہیں تاکہ وہ اپنی رقم کو ضبط ہونے سے بچا سکیں۔ امیر لوگ اپنی دولت کو زیادہ ٹیکسوں کی صورت ہارنے کے بجائے کم ٹیکس دائرہ کار/ملک میں منتقل کرتے ہیں اور یقیناً خود بھی منتقل ہوتے ہیں۔ لوگ جتنی آسانی سے ہجرت کر سکتے ہیں یا اپنا پیسہ منتقل کر سکتے ہیں، ان سے اتنا ہی کم ٹیکس لیا جا سکتا ہے۔ اگر امیر لوگ باہر چلے جاتے ہیں۔۔۔ جیسا کہ 1970 کی دہائی میں وہ برطانیہ سے

چلے گئے تھے جب انکم ٹیکس کی سب سے زیادہ شرح، 83 فیصد، تھی، جس میں سرمایہ کاری سے ہونے والی آمدنی پر 15 فیصد سر چارج تھا۔۔۔اس سے چیزیں مزید برابر نظر آئیں، لیکن انسانی، جسمانی اور مالی سرمایے کا ضیاع/نقصان ملک کے لیے ایک آفت/تباہی ہے۔

یہ نکتہ ایک بار پھر سیاسی دھوکہ دہی اور غیر مساوی سلوک کی حوصلہ افزائی کرتا ہے: سیاست دان زیادہ کمانے والوں پر متاثر کن حد تک ٹیکس کی شرحیں مقرر کر سکتے ہیں، لیکن مختلف کٹوتیوں اور چھوٹ کے ذریعے اس بوجھ کو قابل برداشت بنا دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً، اس کے نتیجے میں ہونے والی ناانصافی پر عوامی ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک کے لیے کم شرح، جس میں کچھ یا کوئی خامیاں نہ ہوں ('فلیٹ ٹیکس' کا تصور)، کم اجتناب، چوری اور شکایت کے ساتھ آمدنی مزید بڑھا سکتی ہے۔

جبری تقسیم کتنی منصفانہ ہے؟

ویسے بھی 'امیر کو نچوڑنا' کتنا مناسب ہے، جبکہ زیادہ تر نے اپنی دولت جائز طریقے سے کمائی ہے، اس پر ٹیکس ادا کیا ہے، اور سرمایہ کاری کے حوالے سے دانشمندانہ فیصلے کیے ہیں؟

یقینی طور پر، ایسے لوگ ہیں جن کو دولت وراثت میں ملی ہوتی ہے، اور دوسرے جو سیاست دانوں کے ساتھ اپنی دوستی کے ذریعے پیسہ کماتے ہیں، مسابقت روکنے/دبانے کے لیے سیاسی نظام کو استعمال کرتے ہیں، یا سیاسی دوستوں کی مدد سے حکومتی ٹھیکے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ حکومت کی توسیع ہی ہے جو اس طرح کے یارپروری کے مواقع کو بڑھاتی ہے: اگر اجارہ داریاں، بیل آؤٹ، سبسڈی، قرضے اور معاہدے ہونے ہیں، تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کچھ لوگ خواہ جس طرح سے بھی ہو ان کا پیچھا کریں گے۔ یارپروری عدم مساوات کی ایک اور مثال ہے جو سیاسی نظام پیدا کرتا ہے۔

مالیاتی صنعت

مالیاتی صنعت کو اکثر امیروں کے لیے بیہودہ طور پر امیر ہونے کے ایک موقع کے طور پر پیش کیا جاتا ہے،

اور مہم چلانے والوں نے حالیہ برسوں میں مالیاتی شعبے کی توسیع کو عدم مساوات میں اضافے سے جوڑا ہے۔ لیکن مالیاتی صنعت انتہائی پیداواری ہے، جس سے عالمی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تمام کاروباروں کو اپنے کاموں اور تجارت کے لیے فنانس، سرمایہ کاری کے لیے قرض، انشورنس، کرنسی ایکسچینج، رسک ہیجنگ (رسک سے تحفظ) اور بہت کچھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ زیادہ بین الاقوامی تجارت نے بہت سی کمپنیوں کے سائز کو بڑھایا ہے اور ان جگہوں اور بازاروں کو متنوع بنایا ہے جہاں وہ کام کرتی ہیں، اس لئے اس طرح کی مالیاتی خدمات اور بھی اہم ہو گئی ہیں۔ انہیں (ان خدمات کو) فراہم کرنے کے لیے خطرے کے پیش نظر مہارت، فیصلہ اور سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے۔
حکومتوں کو مسابقت کو رواں دواں رکھ کر یہ سب کچھ آسان بنانا چاہیے۔۔ اگرچہ عملاً ٹیکس کے لیے سازگار سلوک اور 'بڑی لیکن ناکام' پالیسیاں اور بیل آؤٹ (کسی کو بچانے کیلئے اس کی مدد کرنا) صرف عہدے داروں کو آگے بڑھانے اور اس مقابلے کو کم کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔

دولت مندوں کی سیاسی ناکامی

یہ ایک عام سوچ ہے کہ امیر لوگ اپنی دولت کے بل بوتے پر ناجائز طریقے سے سیاسی فیصلوں میں الجھاؤ ڈال کر انہیں اپنے حق میں کر لیتے ہیں۔ لیکن بہت سے مشترکہ مفادات کے حامل گروہ اور ایسے گروہوں کا آپسی اتحاد اس میں زیادہ کامیاب رہتا ہے۔ امیروں کی دلچسپی، کم از کم وہ امیر جو سیاسی یار پروری کی بجائے اپنے کامیاب کاروبار کی وجہ سے امیر ہوئے ہوتے ہیں، کم حکومت اور کم ٹیکس سے ہوتی ہے، لیکن تاریخی شواہد ایسا کوئی اشارہ نہیں دیتے کہ حالات/چیزیں ایسے ہی طے ہوتی آ رہی ہیں۔ مساوات یہ سمجھاتی دکھائی دیتی ہے کہ امیر لوگ سیاستدانوں کو بڑھاوا دینے کے حوالے سے اپنے مفاد کو زیادہ مد نظر رکھتے ہیں، جیسے کہ رونالڈ ریگن اور مارگریٹ تھیچر، جنھوں نے چھوٹی ریاست کے نظریے کو سپورٹ کیا لیکن چھوٹی ریاست کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھار سکی۔ حکومتیں مسلسل وسیع ہوتی گئیں، جبکہ ٹیکس بڑھتے گئے اور زیادہ کمانے والے، اپنی کمائی کے مطابق حصہ ادا نہیں کر

رہے، غیر متناسب حصہ ادا کرتے ہیں۔

یقیناً کچھ لوگوں کو شکایت ہے کہ مالدار فائدے میں ہیں کیونکہ وہ اپنی آمدنی کو حاصلات سرمایہ (جائیداد یا سرمایہ کاری کو فروخت کرنے سے حاصل ہونے والا منافع) کے طور پر لے سکتے ہیں جن پر آمدنی کے مقابلے ٹیکس کی شرح کم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں صرف کچھ لوگ ہی ایسا کر سکتے ہیں، اور حاصلات سرمایہ پر ٹیکس کی کم شرح اسی لئے ہوتی ہے کیونکہ اس کے پیچھے جو روپیہ لگایا جاتا ہے اس پر پہلے سے ہی ٹیکس ادا کیا گیا ہوتا ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حاصلات سرمایہ پر ادا ہونے والے ٹیکس کی شرح انکم ٹیکس کی شرح سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

کوئی سیاسی ہم آہنگی نہیں

لفظ امیر یہ نقشہ کھینچتا ہے جیسے یہ صرف اپنے ہم پلہ دولت مند لوگوں کا طبقہ ہے جن کے مفاد بھی یکساں ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور مختلف کاروبار، یا پیشے، یا ان کے اندر پائی جانے والی خاص صلاحیت جیسے کھیل، ثقافت، یا آرٹ کی صورت میں ان کے ذرائع آمدنی بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی اقدار/ویلیوز، مقصد، استقامت/پابندی، ذمہ داریاں حتی کہ سیاسی وابستگیاں مختلف ہوتی ہیں۔ وہ مڈل کلاس کی بہ نسبت جو کہ حکومتی لائحہ عمل کو اپنے مفاد کے مطابق تشکیل دینے کے قابل ہوتے ہیں، ہم آہنگی کے حوالے سے ایک بہت کمزور سیاسی قوت ہوتے ہیں۔ افسوس ناک طور پر ہم عدم مساوات کو کم کرنے کے لئے سسیاست پر انحصار نہیں کر سکتے جبکہ سیاست خود بڑی حد تک اس کی ذمہ دار ہو، یعنی سیاست بھی عدم مساوات کی وجوہات میں سے ایک ہے۔

مساوات کرنے والوں کو مساوی/ایک برابر کون کرے گا؟

عظیم تر مساوات کے علمبردار عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ صرف بشر دوستی کافی نہیں بلکہ اس (مساوات) کو از روئے قانون نافذ کرنا چاہئے۔ لیکن تب بجائے اس پہ توجہ مرکوز کرنے کے کہ کیسے رضاکارانہ

اقدامات سے مساوات، صلاحیت اور توانائی میں اضافہ کیا جائے، سیاسی اختیار کے ذریعے اسے حاصل کرنے کی کوشش پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ آزاد خیال/سیکولر کے لئے یہ پریشان کن ہے، کیونکہ سیاست طاقت کا کھیل ہے اور طاقت ایک خطرناک چیز ہو سکتی ہے۔

یہ ٹاسک/کام کافی معمولی دکھائی دے سکتا ہے۔۔ مخلوط معیشت کے نظام کے کسی انقلابی متبادل کے بجائے اجرت کے ضوابط اور دولت کے ٹیکس جیسے کچھ اضافی قانون سازی کے اقدامات۔ بہر حال، ان اقدامات کو بنانے اور نافذ کرنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ طے کرنے کے لیے صوابدید کی ضرورت ہوتی ہے کہ کون سا، کس سطح پر، کس پر لاگو ہوتا ہے۔ ان فیصلوں کو کسی نے لینا اور نافذ کرنا ہے، اس لیے لوگوں کو ان کی آمدنی کے لحاظ سے مساوی بنانے کی کوشش/مہم میں، ہم ایک اشرافیہ کو ان کی سیاسی طاقت کے لحاظ سے غیر مساوی بناتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

یہ تشویش کی بات ہے۔ سیاسی اشرافیہ کے پاس ایسے اختیارات ہوتے ہیں جن کا دعویٰ سب سے امیر ترین افراد بھی نہیں کر سکتے۔۔۔ جیسے کہ قانون وضع کرنے اور لوگوں کو جرمانے اور قید کرنے کا اختیار اگر وہ ان کی تعمیل نہیں کرتے ہیں۔ سیاسی فیصلہ سازی میں اہم مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے سیاستدانوں اور منتظمین کا انتخاب کیسے کیا جائے، بلکہ یہ ہے کہ انہیں کیسے روکا جائے۔ سیاسی عمل چیزوں کا فیصلہ کرنے کا ایک بدنام زمانہ گندا اور غیر معقول طریقہ ہے۔ اور حکام کے لیے طاقت کا غلط استعمال کرنا۔۔ یہاں تک کہ نادانستہ بھی۔۔ ایک ایسے سادہ اور آسان کام میں بھی جیسے کچھ لوگوں سے پیسے لے کر دوسروں کو دینا خاص طور پر آسان ہے۔

15

برابری کی راہ میں رکاوٹیں

اگر ہم ریاست کی طاقت کو عدم مساوات کو کم کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے ان اداروں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو مساوات کو برقرار رکھتے ہیں اور اس کے خلاف رکاوٹوں پر جو کبھی کبھی حکومتیں خود بھی پیدا کرتی ہیں۔

قانونی اور شہری مساوات

انصاف پسند معاشرے کی تشکیل کا پہلا قدم قانون کے سامنے مساوات ہے مطلب قانون کی نگاہ میں سب برابر۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام مجرموں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے بلکہ ایک جیسے معاملات کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ لوگ یکساں قوانین کے تابع ہوں، کیونکہ قوانین غیر منصفانہ ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب ہے وہی غیر جانبدارانہ قوانین جو یکساں طور پر اور انصاف کے ساتھ چلائے جاتے ہیں۔۔۔ مساوی رسائی، عدالتی غیر جانبداری اور قانون کا مناسب عمل۔ کچھ مستثنیات ہو سکتے ہیں۔۔۔ مثال کے طور پر، قانون پولیس کو مشتبہ افراد کو پکڑنے کے لیے طاقت کے استعمال کے اختیارات دے سکتا ہے۔ لیکن اس طرح کے مستثنیات کو کافی، متعلقہ، عقلی اور معقول جواز درکار ہوتے ہیں۔

یہی بات شہری یا سیاسی مساوات پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ شہری مساوات کا مطلب ووٹ دینے اور عہدے کے لیے کھڑے ہونے کا مساوی حق ہے۔ لیکن اس سے آگے، ایک منصفانہ سیاسی نظام میں آزادی اظہار اور بحث میں حصہ لینے کے حق کے علاوہ میڈیا پر سیاسی تسلط، مخالف امیدواروں کی جھوٹی گرفتاری، سیاسی جماعتوں پر پابندی، یا امیدواروں کو دھمکانے جیسے حربوں پر پابندیاں بھی شامل ہیں۔ ریاستی نظام اور ریاستی طاقت جتنی بڑی ہوگی، ان پابندیوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت (محسوس) ہوگی۔

مساوات اور سماجی نقل و حرکت (موبلٹی۔معاشی/طبقاتی تقسیم میں نیچے سے اوپر جانا)

زیادہ مساوات کے حامیوں کا کہنا ہے کہ سماجی نقل و حرکت میں کمی آئی ہے۔ وہ اسے عدم مساوات کی علامت کے طور پر دیکھتے ہیں اور اسے ریورس کرنے کیلیئے حکومتی ایکشن کا مطالبہ کرتے ہیں۔

شماریاتی مسائل

(سماجی) نقل و حرکت قابلیت کے مطابق ایک پوزیشن سے دوسری پوزیشن میں جانے کی صلاحیت ہے۔۔۔اور عام طور پر اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ لوگ کتنی آسانی سے کم فائدہ مند شروعات سے بعد میں زیادہ فائدہ مند پوزیشن پر پہنچ سکتے ہیں، بغیر کسی غیر متعلقہ امتیازی رکاوٹوں کے جو انہیں روک سکتی ہیں۔ نقل و حرکت کے اعداد و شمار، تاہم، بغیر کسی رکاوٹ کے اٹھنے کی صلاحیت کی پیمائش نہیں کرتے، صرف یہ کہ کتنے آگے بڑھے ہیں، رکاوٹیں ہیں یا نہیں۔ موبلٹی کے اعداد و شمار ہمارے پاس مواقع کی مساوات کے لیے بہترین پراکسی ہو سکتے ہیں، لیکن نقل و حرکت اور موقع ایک جیسی چیزیں نہیں ہیں۔ اعداد و شمار اُنہی لوگوں کا احاطہ کرتے ہیں ہیں جو اُٹھتے/بڑھتے ہیں کیونکہ اُن کے پاس خواہش ہوتی ہے، کام کی اخلاقیات اور اُن لوگوں کے ساتھ عزم جو اُٹھ سکتے ہیں لیکن ان میں تمام ضروری محرکات کی کمی ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ان لوگوں میں نقل و حرکت کے پھیلاؤ کو کم سمجھتے ہیں جو اس کی تلاش میں ہوتے ہیں۔

سماجی نقل و حرکت اور عدم مساوات

اس کے باوجود، اعداد و شمار یہ نہیں بتاتے کہ عدم مساوات سماجی نقل و حرکت کو کم کرتی ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں عدم مساوات بہت زیادہ تھی، لیکن اس کے باوجود یہ بہت زیادہ سماجی نقل و حرکت کے دور تھے، جس کی مثال اینڈریو کارنیگی اور ہنری فورڈ کی دولت کی

کہانیوں سے ملتی ہے جو صفر سے اس مقام تک پہنچے تھے۔ بلکہ، کلیدی عنصر زیادہ کھلی مسابقت اور تجارت تھا۔ تیزی سے ترقی کرنے والی معیشتوں میں، سماجی نقل و حرکت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ حوصلہ مند/عالی ہمت لوگ مواقع کا فائدہ اٹھاتے ہیں مطلب اسے ضائع نہیں کرتے۔

سماجی نقل و حرکت بھی بڑھتی ہے کیونکہ، اگر آجروں کو بڑھتی ہوئی اقتصادی لہر کو پکڑنا ہے، تو وہ سماجی نقل و حرکت کے خلاف روایتی رکاوٹوں کو برقرار رکھنے کے متحمل نہیں ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان کی 1990 کی اصلاحات کے بعد حیدرآباد میں آئی ٹی انڈسٹری کی تیزی سے توسیع سے سب سے کم سماجی ذاتوں کے ارکان کو اچھی تنخواہ والی ملازمتوں میں بڑھتے ہوئے دیکھا گیا کیونکہ یہ پھلتی پھولتی صنعت ان کے دماغ اور صلاحیتوں کو ان کے سماجی طبقے سے زیادہ اہمیت دیتی ہے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ بڑھتی ہوئی عدم مساوات کے باوجود 1970 کی دہائی سے سماجی نقل و حرکت میں کمی نہیں آئی ہے۔ امریکہ کو غیر مساوی ہونے کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔۔ اور پھر بھی یہ بہت زیادہ موبائل/حرکت پذیر ہے (مطلب امریکہ میں خوشحال ہونے، نچلے طبقے سے درمیانے یا اوپری طبقے میں منتقلی نسبتاً زیاہ ممکن ہے)۔ کیا یہ اتنی بری بات ہے کہ اگر کسی غیر مساوی ملک میں کسی بھی باصلاحیت شخص کی کامیابی کے لیے دروازے کھلے ہوں؟

سماجی نقل و حرکت کی راہ میں رکاوٹیں

اگرچہ بہت سے لوگ حکومتوں کو سماجی نقل و حرکت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری قوت کے طور پر دیکھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریاستی خدمات، ٹیکس، ضوابط اور کنٹرول بھی اکثر اس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ کم از کم اجرت کے قوانین اسٹارٹر جابز کے حصول اور آمدنی میں اضافے کے سلسلے میں رکاوٹ ہیں۔ پیشہ ورانہ لائسنسنگ ان لوگوں کے پیشوں کو بند کر دیتی ہے جو طویل المدتی مہنگی تربیت برداشت نہیں کر سکتے۔ ضابطے، جنہیں اکثر عوامی تحفظ کے نام پر فروغ دیا جاتا ہے، چلتے کاروباروں کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ نئے مصیبت زدہ آنے والوں کو دور رکھیں۔ منصوبہ بندی کی

قانون سازی ہاؤسنگ کے اخراجات کو بڑھاتی ہے، نوجوانوں کو روکتی ہے یعنی ان کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

رجعت پسند ٹیکس، کنزمپشن ٹیکس اور یوزر چارجز کا سب سے زیادہ اثر غریبوں پر پڑتا ہے۔

اختراع کرنے والوں کو بھی حکومتی مداخلتیں روکے رکھتی ہیں۔ اجارہ داری مخالف قانون سازی کامیاب ترین کمپنیوں کی توسیع کی راہ میں حائل اور پیداواری سرمائے میں اضافے کو روکتی ہے۔ کالج کی تعلیم میں ریاستی اجارہ داری متنوع اور اختراعی قسم کے علم اور تحقیق کیلئے زہر قاتل ہے۔ بیوروکریسی چھوٹی اور اختراعی کمپنیوں کی پیداواری کوششوں کو فارم بھرنے اور باکس ٹک کرنے میں تبدیل کر کے ترقی کو دباتی ہے۔

درایں اثنا "ری ڈسٹری بیوشن" والے ٹیکس اور فوائد کچھ افراد سے پیداواری دولت چھین لیتے ہیں جبکہ دوسروں کو نسبتاً غربت میں پھنسائے رکھتے ہیں۔ زیادہ تر غربت اس وجہ سے ہے کہ لوگ کام نہیں کر رہے ہیں؛ لیکن سماجی فوائد کا ڈیزائن اکثر ان کے لیے کام کرنا مشکل بنا دیتا ہے۔ اگر ہم نے اقتصادی نقل و حرکت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں یقینی طور پر نہ دکھائی دینے والی رکاوٹوں اور دیگر امتیازات کو دیکھنا چاہیے لیکن ساتھ ساتھ ہمیں خود حکومتی کارروائی کی طرف سے کھڑی کی گئی رکاوٹوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔

16

عدم مساوات کا کردار

کیالوگ برابری چاہتے ہیں؟

کیاعام عوام واقعی منافع/نتائج کی مساوات کے بارے میں فکر مند ہیں،اور کیاوہ اسے حاصل کرناچاہتے ہیں؟ تمام دلائل وحقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسادکھائی نہیں دیتاہے۔رائے عامہ کے جائزوں میں وہ معمول کے مطابق درجہ بندی میں صحت کی دیکھ بھال، خوشحالی، سلامتی،امن اور تحفظ جیسی دیگر چیزوں کو برابری سے اوپر رکھتے ہیں۔نہ ہی اسے فروغ دینے کی خاطر زیادہ ٹیکس کے لیے آسانی سے رضاکارانہ طور پر تیار ہوتے ہیں۔

اس بات کے شواہد بہت کم ہیں کہ عوام ماہرین تعلیم کے ایک مساوی، یکساں، غیر مسابقتی معاشرے کے آئیڈیل کو شیئر کرتے ہیں مطلب وہ بھی اہمیت دیتے ہیں۔بلکہ وہ ایک متنوع معاشرے کو ترجیح دیتے ہیں جس میں وہ اوپر جانے آگے بڑھنے کی خواہش کر سکیں۔جوئے کی بہت زیادہ مانگ شاید اس کی تصدیق کرتی ہے۔۔دنیاکے تقریباًہر ملک میں سرکاری لاٹری ہوتی ہے۔ماہر نفسیات کرسٹینا سٹار مینز، مارک شیسکن اور پال بلوم(2017) کے مطابق لوگ آمدنی کے غیر مساوی پھیلاؤ کو ترجیح دیتے ہیں، جب تک کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ منصفانہ ہے۔۔جس میں پیسہ محنتی مزدوروں، ہنر مندوں،اور یہاں تک کہ خوش قسمت لاٹری جیتنے والوں کے پاس جاتاہے۔

لوگوں کوتواس بات کا بھی یقین نہیں ہوتاہے کہ ان کا معاشرہ کتنا مساوی یاغیر مساوی ہے: جب تجربہ کاراولیور ہوزر اور مائیکل نورٹن (2017) نے لوگوں سے کہاکہ وہ اپنے (پسندیدہ) معاشرے کو ممکنہ نمائندگی کی ایک سیریز سے منتخب کریں۔۔مثال کے طور پر، چند امیر لوگ سب سے اوپر اور نچلے حصے میں ایک بڑی تعداد، یا بہت سارے امیر لوگ اور چند غریب، یا ایک بڑا متوسط طبقہ اور کچھ اوپر اور تھوڑے نیچے۔۔۔عام طور پر وہ نہیں کر سکے، بعض صورتوں میں اسے مکمل طور پر غلط کر بیٹھے یا اسے

خلط ملط کر دیا۔ (عام طور پر، وہ اپنے معاشرے میں ناپے گئے عدم مساوات کو کم اہمیت دینے کا رجحان رکھتے تھے، جو مساوات کے حامل ماہرین تعلیم کیلئے اپنی لاعلمی پر افسوس کا باعث بنا۔ چونکہ، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، یہ پیمائشیں مساوی بنانے والے کئی عوامل کو نظر انداز یا انہیں کم اہمیت دیتی ہیں غالباً عوام حقیقی صورتحال کو نسبتاً بہتر طور پر جانتے ہیں اس لئے وہ اس کے بارے میں کم فکر مند ہوتے ہیں۔)

مساوی اور غیر مساوی معاشرے

مساوات کے حامی اسے واضح طور پر اتنا فائدہ مند سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک بارِ ثبوت کسی بھی ایسے شخص پر پڑنا چاہیے جو اس پر سوال/اعتراض کرے۔ لیکن یہ واضح نہیں ہے۔ تمام حقیقی دنیا کے معاشروں میں دولت، آمدنی، طاقت اور سماجی حیثیت کی درجہ بندی کے ساتھ عدم مساوات پائی جاتی ہے جس میں لوگوں کے ساتھ مختلف سلوک کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سوشلسٹ معاشروں میں بھی پسندیدہ فنکاروں کے لیے وراثت، وظیفے، اعزازات، ایوارڈز اور یہاں تک کہ "دچا" (روسی دیہی مکان) بھی ہوتے ہیں۔ غیر معمولی چیز، اگر یہ کبھی موجود رہی (یا پہلے انقلابی عزائم سے آگے بھی باقی رہی تو) ایک مساوی معاشرہ ہو گا۔ بارِ ثبوت ان لوگوں پر زیادہ واضح طور پر ہے جو اس طرح کی اختراع کی وکالت کرتے ہیں۔

عدم مساوات کی فعالیت

اس کی اچھی خاصی وجوہات ہو سکتی ہیں کہ کیوں معاشرے کئی طرح سے غیر مساوی ہوتے ہیں، اور (غیر مساوی) رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔ اور بلاشبہ، مساوات کے اپنے پہلے تجربات کے فوراً بعد عدم مساوات کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ عدم مساوات اور امتیازات معاشرے میں کسی بنیادی چیز کی عکاسی کرتے ہیں۔ غیر مساوی معاشرے چلتے (قائم رہتے) ہیں: وہ ہزاروں سال سے موجود ہیں، وہ اب بھی موجود ہیں، اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ سوویت یونین، یا ماؤ کے چین، یا پول

پوٹ کے کیمبوچیا یا ایشیاء، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی لاتعداد دیگر سوشلسٹ ریاستوں کے قلیل المدت برابری کے تجربات کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد یا قابل یقین ریکارڈ ہے۔

سوال یہ ہے کہ غیر مساوی معاشرے کیوں کام کرتے / قائم رہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ عدم مساوات لوگوں کو تربیت لینے، ہنر حاصل کرنے اور اپنی پیداواری صلاحیت کو بہتر بنانے کی ترغیب دیتی ہے، یا یہ کہ کاروباری انعام کا امکان خطرہ مول لینے اور اختراع کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔۔ یہ سب چیزیں بدلے میں ترقی اور خوشحالی کو بڑھاتی ہیں۔ یہ بات شاید اس سے بھی زیادہ گہری ہے: ممکنہ طور پر، جیسا کہ ایڈمنڈ برک کا خیال تھا کہ، ان اصولوں، رسوم و رواج اور درجہ بندیوں میں ایک 'حکمت' ہے جو صدیوں سے قائم اور چلی آرہی ہے۔

دولت اور رتبہ

دولت کا بذات خود ایک مفید سماجی کردار ہو سکتا ہے، نہ کہ یہ صرف پیداواری سرمایہ بنانے کا ایک زریعہ ہے۔ مثال کے طور پر، ایف اے ہائیک (1976) نشاندہی کرتے ہیں کہ مالدار لوگ اپنے عقائد کی حمایت کر سکتے ہیں یہاں تک کہ جب مادی/مالی (فائدے کی) واپسی کا کوئی امکان بھی نہ ہو، جیسے کہ فنون، تعلیم یا تحقیق کی کفالت، اور نئے خیالات کو فروغ دینا۔ وہ ظالم حکومتوں کے خلاف مہم کی حمایت بھی کر سکتے ہیں جن کے غیر منصفانہ قوانین سے عوام کو خطرہ ہوتا ہے۔

دولت مندوں کا پروڈکٹ کے علمبردار/بانی کے طور پر بھی ایک سماجی کردار ہوتا ہے۔ عام طور پر، جب کوئی اختراعی/نادر پروڈکٹ پہلی بار ظاہر ہوتی ہے تو سب سے پہلے صرف امیر لوگ ہی اسے برداشت/استعمال کر/خرید سکتے ہیں۔ وہ محض اپنی دولت کی نمائش کے لیے بھی ایسی مصنوعات خرید سکتے ہیں۔ لیکن بہت جلد، ہر کسی کو فائدہ ہوتا ہے۔۔ کیونکہ پروڈکٹ کے یہ پہلے خریدار تیزی سے دریافت کر لیتے ہیں کہ پروڈکٹ میں کیا صحیح اور غلط ہے اور وہ اعلیٰ قیمتیں جو وہ ادا کرتے ہیں، مینوفیکچرر/بنانے والے کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ اسے بہتر بنا سکیں اور وسیع مارکیٹ کے لیے اسے

زیادہ سستے طریقے سے تیار کر سکیں۔ اگر آج لاکھوں لوگ اسمارٹ فونز، وائڈ اسکرین ٹیلی ویژن، ریفریجریٹرز یا ہوائی سفر کے متحمل ہو سکتے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چند سال پہلے چند امیر افراد نے ان مصنوعات کو آزمایا اور انہیں قابل قدر پایا یا اس قابل پایا کہ انہیں رکھا جائے۔

درجہ بندیوں کا کردار

سماجی حیثیت کا بھی ایک قابل قدر سماجی کردار ہو سکتا ہے۔ درجہ بندیاں، جو خود خاندان سے شروع ہوتی ہیں، عدم مساوات کو ظاہر کرتی ہیں، لیکن وہ ہمارے سماجی بندھنوں کو محفوظ بنانے میں مدد کرتی ہیں۔ بزرگی، اعزاز یا کسی معزز پیشے کی رکنیت ایک مفید اشارہ ہو سکتی ہے کہ ہمیں کسے سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ اربوں لوگوں کی اس دنیا میں جو مختلف دعوؤں سے گونجتی ہے، یہ امتیازات ہماری توجہ اور تجزیہ کی محدود طاقتوں کو مرکوز کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

یہ استعارہ 'سموسہ / پیسٹری کو تقسیم کرنا' قدرتی طور پر ہمیں یہ تصور کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ مساوی حصص / حصے ہی واحد منصفانہ حل ہے۔ لیکن، اس گمراہ کن استعارے میں بھی، دیگر مختصات بالکل عقلی ہو سکتے ہیں: جیسے سموسہ یا پیسٹری سب سے زیادہ کون چاہتا ہے، یا کس کو کیلوریز / حراروں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے؟ مساوی حصص کا مفروضہ یہ فرض کرتا ہے کہ سماجی اور معاشی زندگی جان بوجھ کر ایک اجتماعی ادارہ ہے، حالانکہ یہ حقیقت میں صرف تب سامنے آتا ہے جب ہم ساتھ رہتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ بات چیت / اختلاط کرتے ہیں۔ اور چونکہ لوگ معاشرے کے دوسرے افراد کو مختلف مقداروں میں مختلف قدر دیتے ہیں، اور ان کی مختلف ضروریات اور خواہشات ہوتی ہیں، اس لیے مساوات سے زیادہ میرٹ، ضرورت یا خواہش عقلی اور عملی معیار کیوں نہیں ہونا چاہیے؟

نئے مواقع / مارکیٹ کی تخلیق

ایک بار پھر، 'برابر سموسہ / پیسٹری' کا استعارہ اس چیز کو نظرانداز کرتا ہے جو دولت بنانے کے عمل

کے بارے میں سب سے اہم ہے۔۔ کہ یہ متحرک/حرکیاتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کا مقصد اپنی دولت خود بڑھانا ہے، اسے دوسروں سے لینا نہیں۔۔۔ صرف مجرم ہی ایسا کرتے ہیں۔ اور ایک کھلی، مسابقتی معیشت میں اپنی دولت کو بڑھانے کا واحد طریقہ دوسروں کو ایسی اشیاء یا خدمات فراہم کرنا ہے جن کی وہ قدر کرتے ہیں— جو ان کی دولت کو بھی بڑھانے کا باعث بنے۔ اگرچہ مختلف لوگوں کے پاس بڑھتی ہوئی دولت کی مختلف مقداریں ہوتی ہیں، لیکن آخر کار ہر ایک کے پاس، بشمول غریب ترین کے، زیادہ ہوتا ہے۔ اور جن کے پاس زیادہ ہے وہ فلاح و بہبود کی فراہمی، عوامی خدمات اور خیرات کے ذریعے انتہائی غریب لوگوں کی مدد کرنے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔

غربت کے خاتمے کے لیے پیداواری صلاحیت

مساوات کے حامی قبول کرتے ہیں کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں غریبوں نے خاص طور پر اچھا کام کیا تھا، جو کہ پھلتی پھولتی معیشتوں اور آمدنیوں کا دور تھا۔ اس کے باوجود اس وقت ٹریڈ یونینوں کے ساتھ خصوصی سلوک کرنے والے کوئی قوانین نہیں تھے، کوئی کم از کم اجرت نہیں تھی، نسبتاً کم ٹیکس اور عوامی اخراجات تھے، اور بہت سی دوسری ایسی چیزیں جو وہ مساوات کے لیے اہم قرار دیتے ہیں۔ بلکہ آمدنی میں اضافہ ان ایجادات سے ہوا جس نے پیداواری صلاحیت کو بڑھایا، دنیا کو سستے کپڑے، سازوسامان، مواصلات، ٹرانسپورٹ، بجلی، صفائی اور بہت کچھ دیا۔ بڑھتی ہوئی پیداواری صلاحیت سے کام کے اوقات کو مختصر کرنے اور تفریح میں اضافے کی سہولت ملی، جب کہ ایک امیر معاشرہ غریب شہریوں کے لیے تعلیم، رہائش، بہبود اور دیگر فوائد میں اعلیٰ معیارات کا متحمل ہو سکتا ہے۔ تمام معاشی طبقوں کو فائدہ ہوا اور 1910 کی دہائی تک وہ 50 سال پہلے کے مقابلے میں کہیں بہتر تھے۔

معیارات کو بہتر بنانا

عالمی جنگوں اور دیگر رکاوٹوں کے باوجود، معیار زندگی میں یہ بہت بڑا اضافہ جاری رہا ہے۔ متوقع عمر کی حد، تعلیم، خواندگی، حفاظت، غذائیت، ڈسپوزایبل آمدنی اور تفریحی وقت سب میں بہتری آئی ہے، جبکہ بچوں کی اموات، مہلک حادثات، قحط اور بہت کچھ میں کمی آئی ہے۔ اور ان تمام چیزوں کا حتمی ذریعہ۔۔۔ انسانی صلاحیت، اختراع، حوصلہ افزائی، مہارت، انسانی اور جسمانی سرمائے، اور محنت پر مبنی بڑھتی ہوئی پیداواری صلاحیت ہے، اس سب کو لبرل اقدار اور اداروں، سوچ اور عمل کی آزادی، جائیداد کے حقوق اور آزادانہ تبادلے کی تائید حاصل ہے۔

یہ سب عدم مساوات کی دنیا میں ہوا ہے، اس کے بغیر نہیں۔ عدم مساوات (کی آگ کو) کو بجھانے کی کوشش کاروبار اور ترقی کی چنگاری کو بجھا دیتی ہے، جیسا کہ دوسری صورت میں شمالی اور جنوبی کوریا، یا سابق مشرقی اور مغربی جرمنی چونکا دینے والا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ویتنام جیسے سابق سوشلسٹ اور مساوی ممالک میں، نئے امیر غریبوں سے کہیں زیادہ امیر تر ہیں، لیکن غریب مزدور بھی اب ٹیلی ویژن اور موٹر سائیکل خرید رہے ہیں، اور انہیں پورا یقین ہے کہ ان کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ عدم مساوات ترقی کا محرک ہو سکتا ہے، یا اس کا نتیجہ، یا دونوں کا کچھ مجموعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ عدم مساوات اور تنوع کی سماجی اور اقتصادی اہمیت گہری ہے۔ اور ہمیں ان کو دبانے کا انتخاب کرنے سے پہلے ممکنہ نتائج کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت ہے۔

17

نتیجہ

پھر مساوات اُس سے کہیں زیادہ پریشان کن تصور ہے جو یہ پہلی نظر میں آتی ہے۔اس سے مراد اتنی مختلف چیزیں ہو سکتی ہیں کہ یہ جاننا مشکل ہے کہ اسے بیان یااس کی وضاحت کیسے کی جائے۔لوگ کئی طرح سے غیر مساوی ہیں: ان میں قدرتی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں، لیکن وہ فیصلے بھی مختلف کرتے ہیں (چوائس مختلف ہوتے ہیں)، مختلف خطرات مول لیتے ہیں، اور قسمت بھی سب کی ایک جیسی نہیں ہوتی، یہ سب ان کی معاشی کامیابی کے عوامل ہیں۔یہ اور بہت کچھ مزید یہ بہت غیر واضح کر دیتے ہیں کہ ہم اس کے بارے میں کیا کر سکتے ہیں، یا یہ کہ ہمیں اس کے بارے میں کچھ کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔

ناقص تخمینہ / پیمائش

اعداد و شمار کے خاکے اور اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے کہ ٹیکسوں کو مساوی کرنے، سماجی فوائد اور جنس کی صورت ریاستی فوائد کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔۔۔اور یہ کہ اعداد و شمار لوگوں کا ان کی زندگی کے مختلف مراحل پر موازنہ کرتے ہیں، ہم عدم مساوات کی ٹھیک طرح سے پیمائش تک نہیں کر سکتے۔اور جب ان عوامل کو شامل کیا جاتا ہے تو عدم مساوات کا پھیلاؤ ڈرامائی طور پر گر جاتا ہے۔بہت مختلف ممالک کا موازنہ کرنا اور بھی مشکل ہے۔

ناقص جواز

زیادہ مساوات کے عام جواز قابل یقین نہیں ہیں۔ہماری عالمگیر انسانیت کی اپیل غربت سے نجات کا جواز پیش کر سکتی ہے، لیکن یہ مساوات سے بالکل مختلف ہے۔مثال کے طور پر قیاس کی رو سے عقلی دلائل، جنہیں اک اندھے انتخاب کا سامنا ہوتا ہے کہ ہم سب ایک مساوی معاشرے میں رہنا چاہتے

ہیں، اس حقیقت کی عکاسی نہیں کرتے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ مختلف لوگوں کے خطرے اور اپنی ترقی کے امکانات کے بارے میں مختلف رویے ہوتے ہیں۔ یہ خیال کہ امیر صرف امیر تر ہو جاتا ہے حقائق سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ قسمت کو عروج اور زوال ہوتا ہے۔ اور مختف قسم کے سماجی مسائل کے ساتھ عدم مساوات کا مبینہ تعلق کمزور اور آپ کی شامل کردہ چیزوں کے حوالے سے انتہائی حساس ہوتا ہے۔

ناقص پالیسیاں

مساوات کی پالیسیاں بھی سیدھی نہیں ہیں۔ مساوی تنخواہ اس وقت تک قابل فہم لگتی ہے جب تک کہ آپ اس بات پر غور نہ کریں کہ کام کے مختلف اوقات اور مختلف خاندانی سائز اب بھی ناانصافی کے الزامات کو جنم دیں گے اور لوگوں کو ٹھیک ٹھاک غیر مساوی رکھیں گے۔ اور نہ ہی یہ اس حقیقت کی توضیح کرتا ہے کہ کچھ ملازمتیں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خوشگوار ہوتی ہیں۔

مختلف لوگوں کی مختلف صلاحیتوں، رویوں، اعمال اور اقدار کی وسیع صف بندی کے سامنے مساوی نتائج پیدا کرنے کے ناممکن ہونے کے پیش نظر بحث مواقع کو برابر کرنے کے خیال کی طرف مڑ جاتی ہے۔ لیکن مختلف خاندان لامحالہ اپنے بچوں کو زندگی کی ایک مختلف شروعات دیتے ہیں جو ان کی ترقی کو متاثر کرتی ہے، اگرچہ یہ اندازہ لگانا ناممکن ہے کہ کتنی حد تک ان کی کامیابی اس کی وجہ سے، یا محنت اور حوصلہ افزائی، یا قسمت کی وجہ سے ہے۔

تضادات

"ری ڈسٹری بیوشن" متضاد/متصادم ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک کرنا تاکہ کسی کے خیال میں جو مساوات ہے وہ پیدا ہو۔۔۔ حالانکہ یہ فیصلہ لامحالہ داخلی ہے۔ اور کسی بھی سیاست دان یا عہدیدار کو اس فیصلے کو حقیقت میں لانے کے لیے درکار طاقت اور صوابدید سونپنا کافی

خطرناک ہے۔

درحقیقت حکومت بھی اکثر مسئلے کی طرح دکھائی دیتی ہے (جو) غریبوں کی بجائے متوسط طبقات کو وسائل فراہم کرتی ہے۔

اجتماعی ذہنیت/سوچ

مساوات کا ایجنڈا بنیادی طور پر اجتماعیت پسند ہے، جو افراد کو اس قابل اعتراض سماجی نتائج کے تابع کے طور پر دیکھتا ہے۔ لیکن زیادہ تر معاشرے غیر مساوی ہوتے ہیں اور ان کو برابر کرنے کی عملی کوششیں قلیل المدت ناکامی کا شکار ہیں۔ ہمیں اس امکان پر غور کرنا چاہیے کہ دولت، حیثیت یا درجہ بندی، اور سادہ انسانی تنوع کی عدم مساوات کے جدت، سرمایہ کاری، پیداواری صلاحیت اور کاروبار کی ترغیب جیسے اہم سماجی کام ہو سکتے ہیں۔ اور ہمیں اپنے آپ کو یہ یاد دلانا چاہیے کہ دولت دوسروں سے لینے والی یا چھیننے کی چیز نہیں۔۔۔ سوائے مجرموں اور حکومتوں کے (جو لوگوں سے لیتے ہیں دولت) — بلکہ ایک ایسی چیز ہے جو متنوع افراد کے درمیان روزمرہ کے معاشی لین دین کے زریعے پیدا کی جاتی ہے۔

ایک بہتر توجہ/فوکس

ہم مساوات پر نہیں بلکہ غریب ترین لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے اور ریاستی اسکولوں کی ناکامی، معاشی بدانتظامی اور سیاسی طاقت جیسے حقیقی سماجی مسائل سے نمٹنے پر توجہ مرکوز کر کے بہتر نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ عدم مساوات کو ختم کر کے سماجی مسائل کو ختم کرنے کی کوشش کرنا قانون کو ختم کر کے جرائم کو ختم کرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ ہمیں اپنے سماجی مسائل کو براہ راست حل کرنے کی ضرورت ہے، بجائے اس کے کہ یہ امید کی جائے کہ مساوات ان کو درست کرے گی۔ مثال کے طور پر "پوسٹ فیکٹ ری ڈسٹری بیوشن" (جس میں معروضی حقائق کی بجائے لوگوں کے جذبات یا اعتقادات کو اہمیت حاصل ہو) کے بجائے ناکام اسکولوں کی حالت کو درست کرنا سماجی نقل و حرکت اور مساوات کو زیادہ

فروغ دے گا۔

مساوات اور 'شیئرز آف دی پائی' (سموسہ یا پیسٹری میں حصص) پر توجہ مرکوز کرنا آزاد معیشت کی حرکیات کو نظر انداز کرتا ہے۔ بڑھتی ہوئی پیداواری صلاحیت اور اقتصادی ترقی نے سب کے معیار زندگی میں بہت زیادہ مثبت اضافہ کیا ہے۔ آج ترقی یافتہ ممالک میں، غریب لوگ روزمرہ کی زیادہ سہولیات کے ساتھ بہتر زندگی گزار رہے ہیں، جس کا کل کی اشرافیہ صرف خواب ہی دیکھ سکتی تھی۔ 1836 میں، ناتھن مائر روتھ شیلڈ، جواب تک کا دوسرا امیر ترین آدمی تھا، دانتوں کے پھوڑے سے مر گیا: آج ہم اینٹی بائیوٹکس سے دانتوں کے پھوڑے کا علاج کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم جانوروں کو بھی اینٹی بائیوٹک دیتے ہیں۔

اخلاقی فرض

اگر آپ ایسا بٹن دبا سکتے ہیں جو دنیا کے غریب ترین کو دگنا امیر بنادے۔۔ لیکن اس کے نتیجے میں دنیا کے امیر ترین کو تین گنا زیادہ امیر بنادے۔۔۔ تو کیا آپ اسے نہیں دبائیں گے؟ ایسا نہیں ہے کہ یہ حقیقی انتخاب ہے، کیونکہ سب سے زیادہ اقتصادی طور پر ترقی یافتہ معیشتیں غریبوں کے مقابلے میں کئی طرح سے زیادہ مساوی ہیں۔ لیکن عدم مساوات پر توجہ مرکوز کر کے ہم اس چیز کو کھو دیتے ہیں جو واقعی اہم ہے: (اور وہ یہ کہ) یہ نہیں کہ سب برابر ہوں، بلکہ یہ کہ ہر ایک کو ایک اچھے معیار زندگی تک رسائی حاصل ہو۔

حوالہ جات

بوتھ، پی۔ اینڈ ساؤتھ ہڈ، بی۔(2017)"پوور تھنکنگ فرام آکسفیم۔ اکنامک افیئرز32–30 :9

بومین، ایس۔ (2016) "سیون ریزنز ناٹ ٹو کیئر اباؤٹ اگزیکیٹیو پے۔" میڈیم، 5 جنوری 2016
(https://tinyurl.com/4bxeje7x)

"کانگریشنل بجٹ آفس "(2015)"دی ڈسٹری بیوشن آف ہاؤس ہولڈ انکم "،2018۔اگست

فرینکفرٹ، ایچ۔جی۔(2015)آن اِن ایکوالٹی۔ پرنسٹن یونیورسٹی پریس۔

گالبریتھ، جے۔کے۔(1958)"دی ایفلوئنٹ سوسائٹی۔ باسٹن ایم اے: ہاٹن مفلن۔

ہیسل، جے وراسر ایم۔(2019)"ہاؤ ڈو وی نو دی ہسٹری آف ایکسٹریم پاورٹی"
"آرورلڈ اِن ڈیٹا"۔ (https://ourworldindata.org/extreme-history-methods)۔

ہاؤسر، او۔ پی۔ و نورٹن، ایم۔ آئی۔ (2017) "(مِس) پرسیپشنز آف اِن ایکولٹی۔ کرنٹ اوپنین اِن سائیکالوجی 21:18-25۔(مصنفین کی رائے شماری سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے اپنے معاشرے بارے خیالات پیمائش شدہ مساوات اور عدم مساوات کی درست عکاسی نہیں کرتے۔)

ہائیک، ایف۔اے۔(1976)"دی میراج آف سوشل جسٹس۔"یونیورسٹی آف شکاگو پریس۔(ہائیک کا استدلال ہے کہ 'سماجی انصاف' حقیقی انصاف کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور یہ ایک ایسی مبہم اور متنازعہ اصطلاح ہے کہ یہ کبھی بھی کسی سرکاری پالیسی کیلئے ٹھوس بنیاد نہیں بن سکتی۔)

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ/آئی ایم ایف (2018) "شیڈو اکانومیز اراؤنڈ دی ورلڈ: ڈٹ ڈِڈ وی لرن اوور د لاسٹ ٹوئنٹی ایئرز؟" ورکنگ پیپر WP 18/17۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ/آئی ایم ایف(2020)"ورلڈ اکنامک آؤٹ لک"
(اپریل)،ch. 4.

جیکبز، ایل، لینز، ای، مور، کے، تھامسن، جے اینڈ وولز، اے ایچ۔(2021)"ویلتھ کنسنٹریشن اِن یونائیٹڈ سٹیٹس یوزنگ این ایکسپینڈڈ میژر آف نیٹ ورتھ۔" ریسرچ ڈیپارٹمنٹ ورکنگ پیپر 6-21۔

فیڈرل ریزروبینک آف باسٹن۔
کیلی، جے۔ اینڈ ایونز، ایم۔ ڈی۔ آر (2017) "سوسائٹل اِنکم اِن ایکولٹی اینڈ اِنڈیویژول سبجیکٹیو ویل بینگ: 68 معاشروں کے نتائج اور 200,000 سے زائد افراد، 2008-1981- سوشل سائنس ریسرچ 23 -1:(1)62۔(مصنفین کی دنیا بھر میں بہت وسیع رائے شماری بتاتی ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں عدم مساوات نقصان دہ نہیں بلکہ شاید لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے مفید ہے۔)
میلانووک، بی۔ ایل، وین ڈیر ویڈ، آر۔، میلانووک، بی۔ ایل، اینڈ وان ڈیر ویڈ،(2014) "اِن ایکولٹی اِز بیڈ فار گروتھ آف دی پوور (بٹ ناٹ فار دیٹ آف دی رِچ)۔ پالیسی ریسرچ ورکنگ پیپر سیریز 6963، دی ورلڈ بینک۔
مارگن، ایم، اینڈ نیف، ٹی۔(2020)" وٹس نیو اباؤٹ انکم ان ایکولٹی اِن یورپ"(1980-2019) ایشو بریف 20/24، ورلڈ ان ایکولٹی لیب۔
نیشنل بیورو آف اکنامک ریسرچ(2017) "دی جینڈر پے گیپ وائڈنز وِد ایج۔" دی ڈائجسٹ۔ نمبر۔ 7
نار برگ، جے۔(2016)" پراگریس: ٹین ریزنز ٹو لک فارورڈ ٹو دی فیوچر۔ لندن: ون ورلڈ پبلیکیشنز
دفتر برائے قومی شماریات/او این ایس (2021) "ایفیکٹس آف ٹیکسز اینڈ بینیفٹس آف یو کے ہاؤس ہولڈ انکم: فنانشل ایئر اینڈنگ 2020۔"
پیو ریسرچ سینٹر (2013) "وٹ مین، وومن ویلیو اِن اے جاب۔ اِن آن پے گیپ، میلینئل وومن نیئر پیرٹی- فار ناؤ(https:// tinyurl.com/2p8w2cz9)۔
"رمسے سالوشنز"(2021) کتنے کروڑ پتیوں کو اپنی دولت وراثت میں ملی؟
(https://tinyurl.com/2p8wfu7t)۔

ریویلین، ایم۔(2016)" آر دی ورلڈ پوورسٹ بینگ لیفٹ بیہائنڈ؟" جنل آف اکنامک گروتھ-139, 21164 (https://doi.org/10.10 07/s10887-016-9126-7)۔

رالز، جے۔(1971)"اے تھوری آف جسٹس۔ کیمبرج، ایم اے: ہارورڈ یونیورسٹی پریس۔

راسر، ایم۔ اینڈ اوٹز-اوسپینا، ای۔(2013) گلوبل ایکسٹریم پاورٹی

(https://ourworldindata.org/extreme-poverty) آر ورلڈ ان ڈیٹا۔

سٹارمنز، سی۔، شیسکن، ایم۔ اینڈ بلوم، پی۔(2017)"وائی پیپلز پریفر ان ایکول سوسائٹیز۔ نیچر ہیومن بی ہیوئیر 1، آرٹیکل 0082۔(مصنفین کی رائے شماری سے پتہ چلتا ہے کہ جب لوگوں سے ان کے ملک میں دولت کی مثالی تقسیم کے بارے میں پوچھا گیا تو لوگ غیر مساوی معاشروں کو ترجیح دیتے ہیں جب تک کہ وہ منصفانہ ہوں)۔

ورلڈ بینک (2016) "پاورٹی اینڈ شیئرڈ پراسپیرٹی 2016: ٹیکنگ آن اِن ایکولٹی (https://doi.org/10.1596/978-1-4648-0958-3)۔

ورلڈ بینک (2019) پووکال نیٹ (http://iresearch.worldbank.org/PovcalNet/data.aspx)۔

ورلڈ پاپولیشن ریویو۔ ویلتھ ان ایکولٹی بائی کنٹری 2022 (https://tinyurl.com/2p9xkbww)

ورسٹال، ٹی۔(2019)"آکسفیمز ان ایکولٹی کلیمز آرنٹ جسٹ مس لیڈنگ۔ دے آر ان ٹرو۔ کیپ ایکس، 21 جنوری (https://capx.co/oxfams-inequality-claims-arent-just-misleading-theyre-un true/)

مزید تصانیف

مساوات کا بیانیہ

پکٹ، کے۔ اینڈ ولکنسن، آر۔(2010)"دی سپرٹ لیول: وائی ایکولٹی اِز بیٹر فار ایوری ون۔"لندن: پینگوئن۔(یہ بتاتا ہے کہ ذہنی بیماری سے لے کر تشدد کے ذریعے ناخواندگی تک تقریباً ہر سماجی مسئلہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ کتنا غیر مساوی ہے، نہ کہ وہ کتنا امیر ہے)۔

پِکٹیم ٹی۔(2017)" کیپیٹل اِن دی ٹوئنٹی فرسٹ سینچری۔ کیمبرج، ایم اے: ہارورڈ یونیورسٹی پریس۔ (ان کا خیال ہے کہ سرمایہ پر منافع ہمیشہ عمومی معاشی ترقی سے زیادہ ہوتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امیر

لامحالہ امیر تر ہو جاتا ہے)۔
سٹگلٹز، جے۔ (2013) "دی پرائس آف اِن ایکولٹی۔" لندن: پینگوئن۔ (مارکیٹ کے عدم استحکام اور سیاسی ناکامی پر تنقید کرتا اور یہ دلیل دیتا ہے کہ نتائج بنیادی طور پر غیر منصفانہ ہوتے ہیں)۔

بیانیہ کی تردید

آرناٹ، آر۔، برن سٹین، ڈبلیو۔ انڈ وو، لی۔ (2015) "دی مِتھ آف ڈائنیسٹک ویلتھ: دی رِچ گیٹ پوورر۔" کیٹو جرنل 35(3)۔ (پیکیٹی اس دلیل کی خامیوں کو ظاہر کرتا ہے کہ امیر امیر تر ہوتے جاتے ہیں اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ دولت کیسے اور کیوں منتشر / تحلیل ہوتی ہے۔)
ڈیلسل، جے۔پی۔، لیکاسن، این۔ اینڈ مارٹن، ای۔ (ایڈیٹرز) "اینٹی پکیٹی: کیپیٹل فار دی ٹوئنٹی فرسٹ سینچری۔ واشنگٹن، ڈی سی: کیٹو انسٹی ٹیوٹ پریس۔ (بیس ماہرین اقتصادیات، مورخین اور ٹیکس ماہرین تھامس پیکیٹی کے تجزیہ اور حل پر تنقید کرتے ہوئے عدم مساوات، ترقی، دولت اور سرمائے کا جائزہ لیتے ہیں۔)
سنوڈن، سی. (2010) "دی اسپرٹ لیول ڈیلیوژن: فیکٹ چیکنگ دی لیفٹس نیو تھیوری آ ایوری تھنگ"۔ لندن: ڈیموکریسی انسٹی ٹیوٹ۔ (اس پر بحث کرتا ہے کہ "دی سپرٹ لیول" کی دلیل میں تجرباتی ثبوت نہیں ہیں اور غلط طور پر سماجی مسائل کو وسیع وجوہات کی بجائے عدم مساوات سے منسوب کرتی ہے۔)

عمومی تنقید

بورن، آر۔ اینڈ ایڈورڈ، سی۔ (2019) "ایکسپلائٹنگ ویلتھ اِن ایکولٹی۔ واشنگٹن، ڈی سی: کیٹو انسٹی ٹیوٹ پریس۔ (یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ دولت کی عدم مساوات میں معمولی اضافہ ہوا ہے، لیکن بنیادی طور پر اقتصادی ترقی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، جو عوام کی بڑی تعداد کے لیے انتہائی فائدہ مند رہی ہے۔)
بورن، آر۔ اینڈ سنوڈن، سی۔ (2016) "وائی وی شوڈنٹ وری اباؤٹ اِن ایکولٹی" آئی ای اے ڈسکشن

پیپر 70۔ لندن: انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک افیئرز۔ (ان خیالات پر تنقید کرتا ہے کہ آمدنی اور دولت کی تقسیم ایک ہار جیت کا کھیل ہے اور اسے آسانی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے، جو غریب ترین لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے مقصد سے ہماری توجہ ہٹا دیتا ہے۔)

کیو نگا، ایم۔ (2002) "آگینسٹ ایکولٹی آف آپرچیونٹی۔" آکسفورڈ: کلیرینڈن پریس۔ (یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ مواقع کی مساوات ایک ایسا مبہم اور ہمہ گیر عبارت ہے کہ یہ پالیسی کے رہنما کے طور پر بیکار ہے۔)

کون ریڈ، ای۔ (2016) "دی اپ سائیڈ آف اِن ایکولٹی: ہاؤ گڈ انٹینشنز انڈرمائن دی مڈل کلاس۔" نیو یارک: پورٹ فولیو۔ (یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ عدم مساوات کا خبط گمراہ ہے، مراعات کو کم کرتا ہے، اور تربیت یافتہ ہنر کی کمی پیدا کرتا ہے جس کی ہمیں آج کی علم پر مبنی معیشت کے لیے ضرورت ہے۔)

لیٹون، ڈبلیو۔ (ایڈیٹر) (1983) "آگینسٹ ایکولٹی: ریڈنگز آن اکنامک اینڈ سوشل پالیسی۔" لندن: پالگریو۔ (ممتاز فلسفیوں، ماہرین اقتصادیات اور سماجی سائنسدانوں کے مضامین کا سلسلہ، جس میں عدم مساوات اور "ری ڈسٹری بیوشن" کے فرسودہ بیانیہ کو چیلنج کیا گیا ہے)۔

ساول، ٹی۔ (2016) "ویلتھ، پاورٹی، اینڈ پالیٹکس۔ نیو یارک: بیسک بکس۔ ((دو یا دو سے زائد قوموں کے درمیان آمدنی اور دولت کے تفاوت کی وجوہات کو تلاش کرتا ہے۔ اس میں اقتصادی ترقی پر مختلف جغرافیائی، ثقافتی، سیاسی اور دیگر عوامل کے مختلف امتزاج کے اثر کا جائزہ لیتا ہے)۔

ساول، ٹی۔ (2018) "ڈسکریمینیشن اینڈ ڈسپیریٹیز" نیو یارک: بیسک بکس (ری وائزڈ اینڈ اِ لارجڈ ایڈیشن، 2019)، (امتیازی سلوک یا استحصال جیسے معاشی فرق/امتیازات کے یک نکاتی وضاحتوں کو چیلنج کرتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ ان پر بنائی گئی کچھ پالیسیاں اتنی غیر نتیجہ خیز کیوں ثابت ہوئی ہیں)۔

واٹکنز، ڈی۔ اینڈ بروک، وائی۔ (2016) "ایوکل اِز آن دیئر: امریکاز مس گائیڈڈ فائٹ آگینسٹ انکم اِن ایکولٹیز۔" نیو یارک: سینٹ مارٹنز پریس۔ (سی ای او کی تنخواہ کی حد اور کم سے کم اجرت جیسی پالیسیوں اور عدم مساوات کے بیانیہ پر تنقید کرتا اور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ سماجی نقل و حرکت کیلئے یہ بیانیہ نقصان دہ ہے)۔

مباحثے

فرچگاٹ-روتھ، ڈی۔ (ایڈیٹر) (2020) "یونائیٹڈ سٹیٹس انکم، ویلتھ، کنزمپشن، اینڈ اِن ایکولٹی۔" آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔(امریکی آمدنی کی عدم مساوات کے جائزوں پر مبنی مضامین، یہ دلیل دیتے ہوئے کہ اس کی مقدار کا تعین آسان نہیں، جس کی وجہ سے مختلف وضاحتیں اور پالیسی ردعمل سامنے آتے ہیں۔)

ناروسن، جے۔ اینڈ سٹربا، جے۔ پی۔ (2010) "آرلبرٹی ایڈ ایکوٹی کمپیٹیبل؟ (فار اینڈ اگینسٹ)" کیمبرج یونیورسٹی پریس۔(دو فلسفی اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ کیا 'منفی' آزادی کا سیاسی اصول مساوات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔)

آئی ای اے کے بارے میں

یہ انسٹی ٹیوٹ ایک تحقیقی اور تعلیمی خیراتی ادارہ ہے (نمبر CC 235 351)۔ اس کا مشن معاشی اور سماجی مسائل کے حل میں مارکیٹوں کے کردار کا تجزیہ اور وضاحت کر کے آزاد معاشرے کے بنیادی اداروں کی سمجھ بوجھ کو بہتر بنانا ہے۔

آئی ای اے (درجہ ذیل اقدامات سے) اپنے مشن کو حاصل کرتا ہے:

- ایک اعلیٰ معیار کا اشاعتی پروگرام

کانفرنسز، سیمینارز، لیکچرز اور دیگر تقریبات

- اسکول اور کالج کے طلباء تک رسائی
- میڈیا پر تعارف اور موجودگی کی صورت نمائندگی

آئی ای اے، جسے 1955 میں آنجہانی سر انٹونی فشر نے قائم کیا تھا، ایک تعلیمی خیراتی ادارہ ہے، کوئی سیاسی تنظیم نہیں۔ یہ کسی بھی سیاسی جماعت یا گروپ سے آزاد ہے اور ایسی سرگرمیاں نہیں کرتا جن کا مقصد کسی سیاسی جماعت یا امیدوار کی کسی بھی الیکشن یا ریفرنڈم میں یا کسی اور وقت حمایت پر اثر انداز ہونا ہو۔ اس کی مالی اعانت مطبوعات کی فروخت، کانفرنس کی فیس اور رضاکارانہ عطیات سے کی جاتی ہے۔

اشاعتوں کی اپنی اہم سیریز کے علاوہ، آئی ای اے (بکنگھم یونیورسٹی کے ساتھ مشترکہ طور پر)، "اکنامک افیئرز" بھی شائع کرتا ہے۔

آئی ای اے کو اس کے کام میں ایک ممتاز بین الاقوامی اکیڈمک ایڈوائزری کونسل اور اعزازی فیلوز کا ایک نمایاں پینل مدد فراہم کرتا ہے۔ دوسرے ماہرین تعلیم کے ساتھ مل کر، وہ آئی ای اے کی ممکنہ اشاعتوں کا جائزہ لیتے ہیں، ان کے تبصرے گمنام طور پر مصنفین تک پہنچائے جاتے ہیں۔ لہذا تمام آئی ای اے پیپرز اسی سخت آزاد ریفرینگ کے عمل سے مشروط ہیں جو معروف تعلیمی جرائد کی جانب سے بروئے کار لایا جاتا ہے۔

آئی ای اے پبلیکیشنز اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں وسیع پیمانے پر پڑھائی اور کورس کے طور پر اپنائی جاتی ہیں۔ وہ پوری دنیا میں فروخت ہوتی ہیں اور اکثر ترجمہ /دوبارہ پرنٹ کی جاتی ہیں۔

1974 سے آئی ای اے نے 70 سے زائد ممالک میں 100 ملتے جلتے اداروں کا عالمی نیٹ ورک بنانے میں مدد کی ہے۔ وہ سب آزاد ہیں لیکن آئی ای اے کے مشن میں شریک ہیں۔

آئی ای اے کی اشاعتوں میں اظہار خیال مصنفین کا ہے، انسٹی ٹیوٹ کا نہیں (جس کا کوئی کارپوریٹ نظریہ نہیں ہے)، ہ،ی اس کے مینجنگ ٹرسٹیز، اکیڈمک ایڈوائزری کونسل کے اراکین یا سینئر عملہ کا ہوتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ کی اکیڈمک ایڈوائزری کونسل کے ممبران، اعزازی فیلوز، ٹرسٹیز اور اسٹاف درج ذیل صفحہ پر درج ہیں۔

ادارہ اپنے پبلیکیشنز پروگرام اور دیگر کاموں کے لیے مرحوم پروفیسر رونالڈ کوز کی طرف سے فراخدلانہ مالی تعاون پر شکر گزار ہے۔

آئی ای اے۔۔۔انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک افیئرز

دی انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک افیئرز

2لندن سٹریٹ، ویسٹ مسٹر، لندن ایس ڈبلیو 1 پی 3 ایل بی

ٹیلیفون:02077998900

فیکس:02077992137

ای میل: iea@iea.org.uk :

انٹرنیٹ:iea.org.uk

ڈائریکٹر جنرل اینڈ رالف ہیرس فیلو مارک لٹل ووڈ

اکیڈیمک اینڈ ریسرچ ڈائریکٹر ڈاکٹر جیمز فورڈر

مینجنگ ٹرسٹیز:

چیئرمین: نیل ریکرڈ

کیون بیل

پروفیسر کرسچئن جانسکاف

رابرٹ بائڈ

لنڈاایڈورڈز

رابن ایڈورڈز

سرمائیکل ہنٹز

پروفیسر پیٹرک منفرڈ

برونوپرائر

پروفیسر مارٹن ریکٹس

اکیڈیمک ایڈوائزری کونسل:

چیئر مین: مارٹن ریکٹس

گراہم بینک

ڈاکٹر راجر بیٹ

پروفیسر البرٹوبینیگاس-لنچ، جونیئر

پروفیسر کرسچن بیجر نسکوف

پروفیسر ڈونلڈ جے بوڈرو

پروفیسر جان برٹن

پروفیسر فورسٹ کیپی

پروفیسر سٹیون این ایس چیونگ

پروفیسر ٹم کانگڈن

پروفیسر کرسٹوفر کوئن

پروفیسر این ایف آر کرافٹس

پروفیسر ڈیوڈ ڈی میزا۔

پروفیسر کیون ڈاؤڈ

پروفیسر ڈیوڈ گرین وے

ڈاکٹر انگر ڈاے گریگ

ڈاکٹر سیموئل گریگ

والٹر ای گرائنڈر

پروفیسر اسٹیو ایچ ہینکے

پروفیسر کیتھ ہارٹلی

پروفیسر پیٹر ایم جیکسن

ڈاکٹر جیری جورڈن

پروفیسر ٹیرنس کیلی

ڈاکٹر لین کیسلنگ

پروفیسر ڈینیئل بی کلین

ڈاکٹر مارک کویاما

پروفیسر چندرن کوکاتھس

ڈاکٹر ٹم لیونگ

ڈاکٹر اینڈریو للیکو

پروفیسر سٹیفن سی لٹل چائلڈ

پروفیسر تھیوڈور روزویلٹ میلوچ

ڈاکٹر ایلین مارشل

پروفیسر انتونیو مارتینو

ڈاکٹر جان میڈ وکرافٹ

ڈاکٹر انجا مرز

ڈاکٹر لوسی منفورڈ

پروفیسر جولین مورس

پروفیسر ایلن موریسن

پروفیسر ڈی آر مائیڈ لٹن

ڈاکٹر میری نیوہاؤس

پال اور مروڈ

پروفیسر ڈیوڈ پارکر

ڈاکٹر نیما پروینی

پروفیسر وکٹوریہ کرزن پرائس

ڈاکٹر الیکس روبسن

پروفیسر پاسکل سالین

ڈاکٹر رزین سیلی

پروفیسر پیڈرو شوارٹز

پروفیسر جے آر شیکلٹن

جین ایس شا

پروفیسر ڈبلیو اسٹینلے سیبرٹ

شنکر سنگھم

ڈاکٹر کارلو سٹیگنارو

ڈاکٹر ایلین سٹرنبرگ

پروفیسر جیمز ٹولی

ڈاکٹر راڈو میر ٹائلکوٹ

پروفیسر نکولا ٹائنن

پروفیسر رولینڈ ووبل

ڈاکٹر سینٹو ویلجانوسکی

پروفیسر لارنس ایچ وائٹ

پروفیسر والٹر ای ولیمز

پروفیسر جیفری ای ووڈ

آنرری فیلوز:Save translation

پروفیسر مائیکل بین اسٹاک پروفیسر رچرڈ اے ایپسٹین پروفیسر ڈیوڈ لیڈلر پروفیسر ڈیرڈری میک کلوسکی

پروفیسر چیاکی نیشیاما پروفیسر ورنن ایل سمتھ

آئی ای اے کی حالیہ مطبوعات/کتابوں میں شامل ہیں:

ایجوکیشن، وار اینڈ پیس: دی سرپرائزنگ سکسیس آف پرائیویٹ سکولز ان وار ٹورن کنٹریز

جیمز ٹولی اور ڈیوڈ لانگ فیلڈ

آئی ایس بی این 978-0-255-36746-2; £10.00

کل جوئز: اے کریٹیک آف پیٹرنلزم

کرسٹوفر سنوڈن

آئی ایس بی این 978-0-255-36749-3; £ 12.50

فنانشل سٹیبلٹی وِد آؤٹ سنٹرل بینکس

جارج سیلگین، کیون ڈاؤڈ اور میتھیو بیڈ ارڈ

آئی ایس بی این 978-0-255-36752-3; £ 10.00

آگینسٹ دی گرین: اِن سائٹس فرام این اکنامک کانٹریرین

پال اور مروڈ

آئی ایس بی این 978-0-255-36755-4; £15.00

این رینڈ: این انٹروڈکشن

ایمن بٹلر

آئی ایس بی این 978-0-255-36764-6; £12.50

کیپیٹل ازم: این انٹروڈکشن

ایمن بٹلر

آئی ایس بی این 978-0-255-36758-5; £12.50

آپٹنگ آؤٹ: کانشنس اینڈ کوآپریشن اِن اے پلورلسٹک سوسائٹی

ڈیوڈ ایس اوڈربرگ

آئی ایس بی این 978-0-255-36761-5; £12.50

گیٹنگ دی میئر آف منی: اے کریٹیکل اسیسمنٹ آف یوکے مانیٹری انڈیکیٹرز

انتھونی جے ایونز

آئی ایس بی این 978-0-255-36767-7; £12.50

سوشلزم: دی فیلڈ آئیڈیا دیٹ نیور ڈائیز

کرسٹیان نیمیٹز

آئی ایس بی این 978-0-255-36770-7; £17.50

ٹاپ ڈاگز اینڈ فیٹ کیٹس: دی ڈیبیٹ آن ہائی پے

تدوین: جے آر شیکلٹن

آئی ایس بی این978-0-255-36773-8; £ 15.00

سکول چوائس آراؤنڈ دی ورلڈ... اینڈ دی لیسن وی کین لرن

تدوین: پولین ڈکسن اور اسٹیو ہمبل

آئی ایس بی این978-0-255-36779-0; £ 15.00

سکول آف تھاٹ: 101 گریٹ لبرل تھنکرز

ایمن بٹلر

آئی ایس بی این978-0-255-36776-9; £ 12.50

ریزنگ دی روف: ہاؤ ٹو سالو و دی یونائیٹڈ کنگڈمز ہاؤسنگ کرائسز

تدوین: جیکب ریس موگ اور راڈو میر ٹائلکوٹ

آئی ایس بی این978-0-255-36782-0; 12.50£

ہاؤ مینی لائٹ بلبز ڈزاٹ ٹیکس ٹو چینج دی ورلڈ؟

میٹ رڈلی اور اسٹیفن ڈیوس

آئی ایس بی این978-0-255-36785-1; 10.00£

دی ہنری فورڈز آف ہیلتھ کیئر... لیسنز دی ویسٹ کین لرن فرام دی ایسٹ

نیما سنندا جی

آئی ایس بی این978-0-255-36788-2; 10.00£

این انٹروڈکشن ٹو انٹرپرینیورشپ
ایمن بٹلر
آئی ایس بی این 978-0-255-36794-3; £12.50

این انٹروڈکشن ٹو ڈیموکریسی
ایمن بٹلر
آئی ایس بی این 978-0-255-36797-4; £12.50

ہیونگ یور سے: تھریٹس تو فری سپیچ اِن ٹوئنٹی فرسٹ سینچری
تدوین: جے آر شیکلٹن
آئی ایس بی این 978-0-255-36800-1; £17.50

دی شیئرنگ اکانومی: اٹس پِٹ فالز اینڈ پرامسز
مائیکل سی مونگر
آئی ایس بی این 978-0-255-36791-2; £12.50

این انٹروڈکشن ٹو ٹریڈ اینڈ گلوبلائزیشن
ایمن بٹلر
آئی ایس بی این 978-0-255-36803-2; £12.50

وائی فری سپیچ میٹرز
جیمی وائٹ

آئی ایس بی این978-0-255-36806-3; £10.00

دی پیپل پیراڈوکس: ڈز دی ورلڈ ہیو ٹو مینی اور ٹو فیو پیپل ؟
سٹیون ای لینڈز برگ اور سٹیفن ڈیوس
آئی ایس بی این978-0-255-36809-4; £10.00

آئی ای اے کی دیگر مطبوعات

آئی ای اے کی دیگر اشاعتوں اور وسیع تر کام کے بارے میں جامع معلومات کیلئے www.iea.org.uk پر جایا جاسکتا ہے۔ براہ کرم کسی بھی اشاعت کا آرڈر دینے کیلئے ذیل میں دیکھیں.

ذاتی گاہکوں

آئی ای اے کو ذاتی صارفین کے آرڈرز بھیجنے کیلئے:

آئی ای اے
2لارڈ نارتھ اسٹریٹ
فری پوسٹLON10168
لندنSW1P 3YZ
ٹیلی فون:020 7799 8911، فیکس:020 7799 2137
ای میل:sales@iea.org.uk

کاروباری صارفین

بک ٹریڈ کے تمام آرڈرز آئی ای اے کے ڈسٹری بیوٹر کو بھیجے جائیں:

NBNانٹرنیشنل (آئی ای اے آرڈرز)

آرڈرز ڈپارٹمنٹ

این بی این انٹرنیشنل

10 تھورنبری روڈ

پلائی ماؤتھ PL6 7PP

ٹیلی فون: 01752202301، فیکس: 01752202333

ای میل: orders@nbninternational.com

آئی ای اے سبسکرپشنز

آئی ای اے اپنی اشاعتوں کے لیے سبسکرپشن سروس بھی پیش کرتا ہے۔ ایک سالانہ ادائیگی کے لیے (فی الحال برطانیہ میں 42.00£)، سبسکرائبرز آئی ای اے کا شائع کردہ ہر مونوگراف وصول کرتے ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں:

سبسکرپشنز

آئی ای اے، ۲ لارڈ نارتھ اسٹریٹ

فری پوسٹ LON10168

لندن SW1P 3YZ

ٹیلی فون: 02077998911، فیکس: 02077992137

ای میل: accounts@iea.org.uk